ماہنامہ

میثاق

لاہور

اگست ۱۹۹۴

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- علامہ اقبال احیائے اسلام اور پاکستان
  ڈاکٹر اسرار احمد
- خلافت ــــ مقصدِ تخلیق آدم
  مولانا مفتی محمودؒ

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کرنے کا بہترین موقع

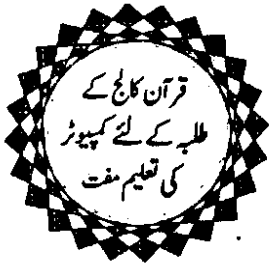

اعلان داخلہ

ایف۔اے (دو سالہ کورس)

☆ قرآن کالج میں ایف۔اے دو سالہ کورس میں داخلے جاری ہیں۔ لاہور بورڈ کے نصاب کے ساتھ ساتھ ایک معین دینی نصاب کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ داخلے کے خواہش مند حضرات تفصیلات کے لئے پندرہ روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس حاصل کریں۔

☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ ۱۶/ اگست ۹۴ء ہے۔

☆ داخلے کے لئے انٹرویو ۱۷/ اگست ۱۹۹۴ء کو ہوں گے۔

☆ ۲۰/ اگست ۹۴ء سے ان شاء اللہ تدریس کا آغاز ہو جائے گا۔

☆ میٹرک کے نتیجے کے منتظر طلباء بھی داخلے کی درخواست دے سکتے ہیں۔

ایم۔اے (عربی۔معاشیات)

☆ قرآن کالج میں ایم۔اے عربی اور معاشیات میں داخلے جاری ہیں۔ داخلے کے خواہش مند حضرات تفصیلات کے لئے پندرہ روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس حاصل کریں۔

☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ ۱۸/ اگست ۹۴ء ہے۔ داخلے کے لئے انٹرویو ۲۰/ اگست ۹۴ء کو ہوں گے۔

☆ بی۔اے کے نتیجے کے منتظر طلباء بھی داخلے کی درخواست دے سکتے ہیں۔

قرآن کالج، اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور، فون : 5833637

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۳
شمارہ: ۸
ربیع الاوّل ۱۴۱۵ھ
اگست ۱۹۹۴ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر۔	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

☆ عرض احوال ——— ۳
حافظ عاکف سعید

☆ الہدیٰ (قسط : ۹۳) ——— ۵
نبی اکرمؐ کی حیات طیبہ میں قتال فی سبیل اللہ کا آغاز
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۱۷
علامہ اقبال اور پاکستان
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ بحث و نظر ——— ۳۳
اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد ضروری ہے یا نہیں؟
ایک استفتاء اور علماء کرام کے جوابات

☆ حسن انتخاب (خلافت--مقصد تخلیق آدم) ——— ۴۱
مولانا مفتی محمودؒ

☆ اصلاح الرسوم ——— ۵۱
بیاہ شادی کی رسوم اور ان کی شرعی حیثیت
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

☆ افکار و آراء (سود کے خاتمے سے گریز کیوں؟) ——— ۶۷
عبدالودود خان

☆ دعوت فکر (تنظیم اسلامی ہی کیوں؟) ——— ۷۴
نجیب صدیقی

☆ رفتار کار (کراچی میں دو روزہ تربیت گاہ) ——— ۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

مشہور ہے کہ جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو وہاں کے چوٹی کے اہل علم و دانش بعض ایسے لایعنی اور فروعی علمی نکات پر بحث و تمحیص میں الجھے ہوئے تھے کہ جن کا عمل کی دنیا سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اس واقعے کو آج پڑھتے ہیں تو ہنسی آتی ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ علم کی دنیا کی وہ نابغۂ روزگار ہستیاں گرد و پیش کے حالات اور وقت کے تقاضوں سے اس درجے بے خبر اور غافل تھیں کہ تاتاریوں کا ہلاکت خیز سیلاب ان کے گھر کی دہلیز تک پہنچ چکا تھا گویا ہلاکت ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی اور انہیں اس کا قطعاً کوئی شعور و ادراک نہ تھا۔ اُس وقت کے حکمران طبقے کو طاؤس و رباب سے فرصت نہ تھی۔ اس صورت حال کا جو عبرت ناک نتیجہ نکلا وہ سب کو معلوم ہے۔ پاکستان کی داخلی صورت حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اہل سیاست کی باہمی کشاکش اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے نہایت مکروہ اور بھونڈے سیاسی ہتھکنڈوں کا بے دریغ استعمال اور ملکی مفادات سے بالکل بے پروا ہو کر اپنی تجوریاں بھرنے کی دوڑ' اور طبقہ علماء و اہل دانش کی اکثریت کی گرد و پیش کے حالات سے بے خبری اور مسلسل بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ اور گروہی سرگرمیاں بتاتی ہیں کہ ملک و قوم کے تحفظ اور اس کے مستقبل کا دھیان کسی کو نہیں ہے' الاماشاء اللہ۔ ہر شخص اپنی ذات اور گروہ کے گرداب میں محصور نظر آتا ہے۔ ہر میدان میں زوال و انحطاط ہے کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ ملک کا وہ کون سا ادارہ ہے جو شکست و ریخت اور مسلسل زوال کے عمل سے دوچار نہیں ہے۔ ہماری اگر یہی روش رہی تو صاف نظر آتا ہے کہ بحیثیت قوم ہمارے دن گنے جا چکے ہیں۔ گرد و پیش کے حالات پر غور کرنے والوں کو ہر سُو مایوسی کے اندھیاروں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا اس لئے کہ بظاہر احوال 'اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی.....ایسے میں امید کے لئے اگر کوئی سہارا ہے تو وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ کسی طرح خواب غفلت سے نکلنے کے لئے تیار نہیں۔

ملک و قوم کی سلامتی اور اصلاح احوال کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہ اللہ کے دامن کو مضبوطی سے تھامیں اور خود کو اس کی رحمت اور اس کی نصرت و حمایت کے حصول کا مستحق ثابت کریں۔ اللہ کی نصرت و حمایت ہم کیسے حاصل کر سکتے ہیں' اس بارے میں قرآن حکیم نے کوئی ابہام نہیں چھوڑا۔ دو ٹوک الفاظ میں ہمیں بتا دیا گیا تھا کہ: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ "کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے' اس کے دین کے غلبہ و اقامت کے لئے جدوجہد کرو گے' اس کے عطا کردہ نظام خلافت کے قیام کے لئے پیہم محنت کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثبات و استحکام عطا کرے گا۔ محض اپنے ذاتی تزکیے ہی کو اصل کام سمجھ لینے اور کسی قدر علمی مشاغل میں منہمک ہو کر مطمئن ہو رہنے والوں کو سورۃ محمد کی اس آیت کی روشنی میں اپنے فکر کی اصلاح کر لینی چاہئے.....اور دین حق کے غلبہ و اقامت کے لئے سوائے اس انقلابی طریق کار کے کہ جو آنحضور ﷺ نے اختیار فرمایا' کوئی اور طریقہ موثر ہو ہی نہیں

سکتا۔ یہ بات عقلاً اور نقلاً ہی درست نہیں، تجربے سے بھی ثابت ہو چکی ہے کہ کوئی دوسرا طریقہ اس کام کے لئے قطعاً موثر نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے بقاو استحکام کا اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ ہر گزرنے والا لمحہ اس کی صداقت کو مزید مبرہن کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جو لوگ اس ایک حل کے سوا کوئی اور حل تجویز کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انقلابی جدوجہد سے نظام کو بدلنے کی بجائے محض لیپا پوتی سے کام بن سکتا ہے وہ دراصل قوم کو میٹھی لوریاں دے کر سلانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ خود فریبی کا شکار ہیں بلکہ دوسروں کو فریب دینے کے بھی مجرم ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس شعور کو اجاگر کیا جائے اور اس ایک نکتے پر تمام مساعی کو مرکز کر دیا جائے، ورنہ اللہ کی سنت تو تبدیل نہیں ہوا کرتی۔ اس نے اگر عربوں کو دین سے غداری کی وہ عبرتناک سزا دی تھی جو رہتی دنیا تک یاد رہے گی تو ہم کس برتے اس سے امتیازی سلوک کی توقع کرتے ہیں!!

★ ★ ★

شادی بیاہ کی رسومات کے ضمن میں ہمارا معاشرہ رسومات کے جس سیلاب کی لپیٹ میں ہے اور اس کی وجہ سے غرباء ہی نہیں متوسط طبقہ بھی جن گوناگوں معاشرتی مسائل کا شکار ہے ان سے کون ذی شعور ہوگا جو واقف نہ ہو اور اس کی وجہ سے کرب والم سے دوچار نہ ہو۔ ہمارے دین نے شادی بیاہ کے راستے کو آسان بنایا ہے اور زنا کی طرف لے جانے والے تمام راستوں کا سدباب کرنے کی پرزور تاکید کی ہے۔ لیکن آج رسومات کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کی وجہ سے اور ہمارے فکری و عملی زوال کے باعث صورت حال یہ ہے کہ نکاح کی سنت پر عمل پیرا ہونا نہایت دشوار ہو چکا ہے جبکہ زنا اور فحاشی کے تمام راستے کھلے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے کہ ہم بحیثیت قوم انتہائی بگاڑ اور اخلاقی زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔۔۔ امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قریباً بیس برس قبل اپنی دعوتی و تنظیمی مساعی کے ساتھ ساتھ شادی بیاہ کے ضمن میں ایک بھرپور اصلاحی مہم کا آغاز بھی کیا تھا۔ انہوں نے چونکہ اصلاح کے اس عمل میں سنت رسول ؐ کو بنیاد بنایا تھا اور اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر بعض نہایت جرأتمندانہ قدم اٹھائے تھے لہٰذا بحمد اللہ اس کے بہت خوشگوار اور مفید اثرات ظاہر ہوئے۔ امیر تنظیم اسلامی نے اپنے سب سے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد کی شادی کے موقع پر جب اس اصلاحی تحریک کے آغاز کا اعلان کیا تو سرگودھا شہر کی جس مسجد میں محفل نکاح منعقد ہوئی وہاں کے خطیب نے جو ایک نامور عالم دین ہیں اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی کہ یہ کام اصل میں علمائے کرام کے کرنے کا تھا، لیکن افسوس کہ وہ اس ذمہ داری کو نہیں نبھا رہے۔ انہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب کو اس تحریک کے شروع کرنے پر مبارک باد دی جو ان کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔۔۔ لیکن بعد میں دیوبند تھانوی حلقے کے ایک بزرگ عالم دین اور مفتی صاحب کی جانب سے محترم ڈاکٹر صاحب کی ان اصلاحی کوششوں اور مسجد میں نکاح منعقد کرنے کے معاملے پر تیز و تند تنقید سامنے آئی تو شدید حیرت ہوئی کہ اصلاح الرسوم کے ضمن میں مولانا تھانوی ؒ کی مساعی کا تو ایک زمانہ معترف ہے اور ان کے حلقے کے ایک

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں
قتال فی سبیل اللہ یا سلسلۂ غزوات کا آغاز
اور اس کا ہدفِ آخریں

(۱)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم○ بسم اللہ الرحمن الرحیم○ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ○

وقال تبارک وتعالی کما ورد فی سورۃ التوبۃ

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ○ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ○ صدق اللہ العظیم

نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں قتال فی سبیل اللہ یا غزوات کا سلسلہ رمضان ۶ھ سے شروع ہو کر اواخر ۹ھ تک جاری رہا۔ اس طرح یہ سلسلہ قتال و غزوات آٹھ سالوں پر محیط ہے۔ اس دوران میں بہت سے "غزوات و سرایا" ہوئے۔ سیرت مطہرہ کے حوالے سے غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ نے بھی نفس نفیس شرکت فرمائی ہو، اور "سریہ" (جس کی جمع سرایا ہے) اس جنگی مہم کو کہتے ہیں کہ جس کے لئے آپ نے کوئی دستہ بھیجا ہو لیکن خود اس میں شمولیت نہ فرمائی ہو۔

غزوات کا ذکر قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں متعدد غزوات کا تذکرہ موجود ہے اور اس معاملہ میں ہمیں وہاں ایک عجیب حسن ترتیب نظر آتی ہے۔ قرآن حکیم میں مکیات اور مدنیات کے لحاظ سے سورتوں کے جو سات گروپ بنتے ہیں ان کے بارے بنیادی تعارفی باتیں اس منتخب نصاب کے درس کے دوران ایک موقعے پر عرض کی جا چکی ہیں۔ اس سلسلے کا دوسرا گروپ اس اعتبار سے نہایت متوازن ہے کہ اس میں شامل کل چار سورتوں میں سے دو سورتیں مکی ہیں اور دو ہی سورتیں مدنی ہیں۔ سورہ الانعام اور سورۃ الاعراف مکیات ہیں اور سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ مدنیات ہیں۔ اس ترتیب میں ایک عجیب حکمت یہ نظر آتی ہے کہ سلسلہ غزوات کی پہلی کڑی یعنی غزوۂ بدر کا ذکر سورۃ انفال میں ہے اور اس سلسلے کی آخری کڑی یعنی غزوۂ تبوک کا تفصیلی ذکر ہے سورۃ التوبہ میں۔ گویا کہ ان دونوں سورتوں کو مصحف میں متصل رکھ کر اس سلسلہ غزوات کے نقطہ آغاز اور نقطہ اختتام دونوں کو یکجا کر دیا گیا۔

قرآن حکیم میں تمام غزوات کا ذکر نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جن کا ذکر کیا گیا ہے یقیناً ان کی اہمیت کسی نہ کسی پہلو سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ گویا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد اور آپؐ کے مشن کی تکمیل کی اس کوشش میں اہم سنگ ہائے میل (LAND MARKS) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ غزوات کہ جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے ان میں غزوہ بدر ہے کہ جو رمضان ۲ھ میں ہوا۔ قرآن حکیم کی ایک مکمل سورۃ' یعنی انفال اسی غزوے کے حالات و واقعات اور اس سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پوری سورۃ ایک انتہائی مربوط خطبے کی حیثیت سے بیک وقت نازل ہوئی' اس لئے کہ اس کے اول و آخر کے درمیان ایک بڑا گہرا منطقی اور معنوی ربط ہے' جس کا حوالہ بعد میں ہماری گفتگو میں آئے گا۔ غزوہ بدر کے فوراً بعد غزوہ بنی قینقاع ہوا لیکن اس کا قرآن مجید میں ذکر موجود نہیں ہے۔ شوال ۳ھ میں غزوہ احد ہوا۔ یہ غزوہ بعض اعتبارات سے نہایت اہمیت کا حامل ہے اور اس میں بعض ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتائج بہت دور رس نکلے' چنانچہ قرآن مجید میں اس غزوہ کے حالات و واقعات پر بھی نہایت بھرپور تبصرہ

موجود ہے۔ سورۃ آل عمران کی ایک سو بیسویں آیت سے یہ مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد تقریباً مسلسل ساٹھ آیات اسی غزوہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد غزوہ بنو نظیر واقع ہوا۔ اس کا ذکر قرآن حکیم میں سورۃ الحشر میں ہے۔ پھر ۵ھ میں غزوہ احزاب یا غزوہ خندق پیش آیا۔ اس کا شمار بھی انتہائی اہم غزوات میں ہوتا ہے اور سلسلہ غزوات میں اسے ایک فیصلہ کن موڑ (TURNING POINT) کی حیثیت حاصل ہے۔ اس پر سورۃ احزاب میں مکمل دور کوعوں میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے معاً بعد غزوہ بنو قریظہ ہے جسے غزوہ احزاب ہی کا ضمیمہ یا تکملہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سورۃ احزاب ہی میں غزوہ احزاب کے ذکر کے ساتھ متصلاً اس کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اس کے بعد اگرچہ اور غزوات بھی ہوئے مثلاً غزوہ مریسیع اور غزوہ بنی مصطلق وغیرہ' لیکن قرآن مجید میں ان کا ذکر موجود نہیں ہے۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی اس جدوجہد میں ایک بڑے اہم سنگ میل (LAND MARK) کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم اسے فتح مبین سے تعبیر کرتا ہے اس لئے کہ یہ اہم واقعہ فتح مکہ کی تمہید ثابت ہوا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ پر ایک پوری سورۃ' سورۃ فتح کے نام سے موجود ہے جس کا آغاز ان الفاظ مبارکہ سے ہوتا ہے: "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا" اس کے بعد ۷ھ میں غزوہ خیبر ہوا لیکن قرآن مجید میں اس کے حالات و واقعات کا ذکر موجود نہیں ہے۔ ۸ھ میں ایک جانب تو جنگ موتہ ہوئی اور سلطنت روم کے ساتھ مسلمانوں کے ٹکراؤ کا آغاز ہوا' اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' اور دوسری جانب فتح مکہ جیسا اہم واقعہ ہوا' تاہم اس پر بھی قرآن مجید میں صراحتاً کہیں گفتگو نہیں ہوئی بلکہ اس کا ضمناً ذکر سورۃ التوبہ میں ملتا ہے' البتہ اسی سورۃ میں غزوہ حنین کا ذکر' جسے فتح مکہ ہی کا تکملہ یا تتمہ قرار دیا جاسکتا ہے' نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی آخری کڑی یا یوں کہئے کہ سلسلہ غزوات کا نقطہ عروج وہ ہے جسے ہم غزوہ تبوک کے نام سے جانتے ہیں۔ سورۃ توبہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس غزوہ کے حالات و واقعات بھی بیان ہوئے ہیں اور ان پر بڑا مفصل تبصرہ بھی موجود ہے۔ یہ ہے اجمالی طور پر ان غزوات کی تاریخ وار ترتیب کہ جو ہجرت کے بعد آٹھ سالوں کے دوران حیات نبوی ﷺ میں واقع ہوئے۔ اب اس سے پہلے کہ ہم ان غزوات کا جو ذکر قرآن حکیم

میں آیا ہے اور ان کی جن اہم باتوں کی طرف قرآن مجید میں توجہ دلائی گئی ہے' ان پر جستہ جستہ غور کرنا شروع کریں' مناسب یہ ہو گا کہ تمہیدی طور پر اپنے ذہن میں اس صورت حال کا ایک نقشہ قائم کر لیا جائے جس نے آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ مدینہ میں دوچار تھے اور یہ کہ کس طرح آپ نے غلبہ دین حق کے اس مشن کو جسے سورۃ الصف میں آپؐ کا مقصد بعثت قرار دیا گیا' مدنی دور میں درجہ بدرجہ تکمیل تک پہنچایا۔

مدینہ کے خاص حالات

ہم آنحضور ﷺ کی مکی زندگی سے متعلق کچھ باتوں پر اس سے پہلے غور کر چکے ہیں اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جب آپؐ مدینے میں تشریف لائے تو وہاں کیا صورت حال تھی۔ مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے نام سے دو قبیلے تو وہ تھے کہ جن کے بارے میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ وہاں کے اصل راجپوت قبیلے تھے۔ اوس نسبتاً چھوٹا قبیلہ تھا جبکہ خزرج عددی اعتبار سے بڑا قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ تین یہودی قبیلے بھی وہاں آباد تھے جن کی حیثیت کچھ مہاجنوں کی سی تھی۔ ان کا نہ صرف علمی اعتبار سے وہاں ان کا ایک رعب اور دبدبہ تھا بلکہ تہذیبی و تمدنی اور ثقافتی اعتبار سے بھی ان کی مدینہ میں ایک حیثیت تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روپے پیسے کے اعتبار سے بھی انہیں برتری حاصل تھی۔ یہ قبائل مدینے کے اطراف میں آباد تھے اور نہایت مضبوط گڑھیوں اور قلعوں میں رہتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ جب مدینے تشریف لائے تو اوس اور خزرج کی اکثریت ایمان لے آئی۔ ان میں سے اگرچہ کثیر تعداد ان لوگوں کی تھی جو صدق دل سے ایمان لائے تھے تاہم کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو اس بنا پر ایمان لائے کہ چونکہ سرداران قبیلہ ایمان لے آئے ہیں تو ہم بھی اسلام قبول کئے دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ وہاں ایسے بھی تھے کہ جو ایمان تو لے آئے لیکن بادل ناخواستہ۔ اس طور سے ایمان لانے والوں میں دو شخصیتیں بہت نمایاں ہیں' ابو عامر اور عبداللہ ابن ابی ابن سلول۔ دونوں کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا کہ جو زیادہ طاقتور اور بڑا قبیلہ تھا۔ ابو عامر کی نیکی اور دینداری کا وہاں لوہا مانا جاتا تھا اور عبداللہ ابن ابی ابن سلول کی سیاسی سمجھ بوجھ کے سب معترف تھے اور اسے ایک بڑا سردار تسلیم کیا جاتا تھا۔ چنانچہ نبی

اکرم ﷺ کے ورود مدینہ سے متصلاً قبل اوس اور خزرج کے مابین اس بات پر اتفاق رائے ہو چکا تھا کہ عبداللہ ابن ابی ابن سلول کو بادشاہ مان کر مدینے میں باقاعدہ ایک بادشاہی نظام حکومت قائم کر دیا جائے۔ تاج تیار ہو چکا تھا' لیکن جب آنحضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ظاہر بات ہے کہ خورشید رسالت کے طلوع ہونے کے بعد اب نہ ابو عامر راہب کی نیکی اور دینداری کا چراغ جل سکنے کا کوئی امکان موجود تھا اور نہ ہی اب وہ صورت برقرار رہی کہ کسی کے سر پر یہاں تاج شاہی رکھا جا سکے۔ اب وہاں دینی و مذہبی ہی نہیں سیاسی اعتبار سے بھی سیادت و قیادت محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہو گئی تھی۔

اس مرحلے پر یہ بات نوٹ کرنے کے لائق ہے اور اس سے قبل بھی اس جانب توجہ دلائی جا چکی ہے کہ آنحضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھی اہل ایمان جان بچا کر مکہ سے مدینہ نہیں آئے تھے' یہ فرار نہیں تھا (نعوذ باللہ من ذلک) بلکہ یہ ایک اہم مقصد کے لئے ایک ایسے مرکز (BASE) میں جمع ہونے کا ایک عمل تھا کہ جو اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ اور مسلمانوں کو عطا فرمایا تھا تاکہ غلبہ دین حق کے اس اہم مقصد کی طرف پیش قدمی کی جا سکے جس کے لئے نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔ مدینے کو دارالہجرت اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

آنحضور ﷺ کی دور اندیشی کا شاہکار

نبی اکرم ﷺ نے مدینے تشریف لاتے ہی سب سے پہلا کام جو کیا وہ آپ کی دُور اندیشی اور معاملہ فہمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے فوری طور پر ایک نقشہ کار تیار کیا کہ جس کے مختلف تقاضے آپ کے سامنے اس وقت پوری وضاحت کے ساتھ موجود تھے' چنانچہ اس کے مطابق عملی اقدامات کا آغاز فرما دیا۔ مدینہ تشریف لاتے ہی آپؐ نے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدے کر لئے۔ اور اس طرح انہیں معاہدوں میں جکڑ لیا کہ بعد کے نو دس سالوں کے دوران ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہود ان معاہدوں کی وجہ سے ایک عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف شدید جذبات رکھنے کے باوجود وہ کوئی

فیصلہ کن اقدام کرنے کے قابل نہیں رہے تھے اور خود کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے' ہاں در پردہ سازش اور ریشہ دوانی کرنے کی کوششیں انہوں نے ضرور کیں اور بعض مواقع پر مشرکین مکہ کو اشتعال دلا کر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی لیکن وہ براہ راست اور کھلم کھلا نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں نہیں آسکے۔ یہی معاہدے کہ جو ان کے پاؤں کی بیڑیاں بنے تھے بالآخر ان کے گلے کا طوق بھی بنے۔ اور انہی معاہدوں کو توڑنے کی پاداش میں وہ تینوں قبیلے باری باری اپنے انجام کو پہنچے۔ ان میں سے دو قبیلوں کو مختلف مراحل پر مدینہ بدر کیا گیا اور ایک کو ان کی بد عہدی کی سخت ترین سزا دی گئی کہ ان کے تمام لڑائی کے قابل مردوں کے سر قلم کئے گئے۔

مسلمانوں کی جنگ دفاعی نہیں تھی!

بہرحال اس حوالے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اس دور میں ہمارے بعض دانشوروں اور اہل علم نے سیرت طیبہ کے ان غزوات کے معاملے میں جو معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا ہے کہ یہ صرف دفاعی جنگ تھی ورنہ اسلام اپنے غلبے کے لئے جنگ اور خونریزی کے راستے کو اختیار نہیں کرتا' یہ درست نہیں ہے۔ مغرب سے یہ بات دراصل کچھ اس انداز میں طعنے کے طور پر ہمارے بارے میں کہی گئی اور یہ الزام کچھ اس شدت کے ساتھ لگایا گیا ہے کہ ع "بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے" کہ رد عمل کے طور پر ہمارے ہاں سے ایک نہایت معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا اور یہ انداز بالخصوص ان طبقات نے اختیار کیا جو مغرب کی مادی اور سائنسی ترقی سے ذہنی طور پر مرعوب تھے۔

اس میں تو ہرگز کوئی شک نہیں کہ ابتدا بہرحال اہل مکہ کی طرف سے ہوئی لیکن وہ ابتدا ان معنوں میں تھی کہ انہوں نے مکہ میں مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے اور انہیں ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اس اعتبار سے گویا کہ مشرکین مکہ کی طرف سے تو جنگ کا اعلان پہلے سے تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ مکی دور میں اہل ایمان کے ہاتھوں کو باندھ دیا گیا تھا۔ انہیں حکم تھا: "کفوا ایدیکم"۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر پابندی

تھی اور انہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن پھر ایک وقت آیا کہ وہ اجازت آئی۔ جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے' دوران سفر ہجرت سورہ الحج کی یہ آیت نازل ہوئی :

"اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ O اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ"

"آج اجازت دی جا رہی ان کو کہ جن پر جنگ ٹھونسی گئی تھی' اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ (اب وہ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے (جو گھر بار کو چھوڑ کر ترک وطن پر مجبور کر دیئے گئے) صرف اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے"۔

گویا کہ اس معنی میں اگر کہا جائے کہ آغاز مشرکین مکہ کی طرف سے ہوا تو بات غلط نہیں ہے' لیکن اگر اس کے معنی یہ سمجھے جائیں کہ مدینے پر حملہ بھی یکطرفہ طور پر انہی کی جانب سے تھا اور مسلمانوں نے مدافعانہ جنگ لڑی ہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جیسے ہی اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو تمکن عطا فرمایا اور مسلمانوں کو ایک مرکز میسر آگیا تو آپؐ نے مکے کی طرف اقدام کا آغاز کر دیا۔ مکے کی جانب آنحضور ﷺ کی اولین پیش قدمی کس طور سے ہو سکتی تھی' اسے اس واقعے کی روشنی میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ عمرے کے لئے مکے تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے۔ ابوجہل پوچھتا ہے یہ کون صاحب ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ سعد ابن معاذؓ ہیں۔ تو وہ بھپر کر غصے میں کہتا ہے کہ تم نے ہمارے بھگوڑوں کو پناہ دی ہے اور اگر تم لوگوں نے انہیں اپنے ہاں سے نکال باہر نہ کیا تو ہم بیت اللہ میں تمہارا داخلہ بند کر دیں گے۔ اس کا فوری جواب جو حضرت سعد بن معاذؓ نے دیا وہ یہ تھا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہاری اس تجارتی شاہراہ کو بند کر دیں گے جو تمہاری رگ جاں کی حیثیت رکھتی ہے اور جو مدینے کے

قریب سے ہو کر گزرتی ہے۔ ابو جہل کی دھمکی کے جواب میں فوری طور پر حضرت سعد بن معاذؓ کا ذہن اس جانب منتقل ہو گیا۔ آنحضور ﷺ نے قریش مکہ کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔

غزوۂ بدر کا ایک اہم سبب-- کفار مکہ کی معاشی ناکہ بندی

جدید اصطلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے مکے والوں کا Blockade Economic کر دیا' ان کے تجارتی راستوں کو مخدوش بنا کر ان کی معاشی ناکہ بندی کا سامان کر دیا۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں یہ حقائق محفوظ ہیں کہ غزوہ بدر سے قبل آنحضور ﷺ نے ان تجارتی راستوں کو مخدوش بنانے کے لئے آٹھ مہمیں روانہ کیں' جن میں سے بعض میں آپؐ نے خود بھی شرکت فرمائی۔ انہی میں سے ایک مہم کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں ایک قرشی کافر مارا بھی گیا' گویا اس معاملے میں پہل مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ مکے والوں کی معاشی ناکہ بندی کرنا درحقیقت سانپ کو بل سے نکلنے پر مجبور کر دینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ ابو جہل اور اس کے وہ ساتھی جو قریش میں سے HAWKS کی قسم کے تھے اور کسی نہ کسی بہانے سے بہرصورت مدینے پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے' انہیں اس حوالے سے ایک موقع مل گیا۔ انہوں نے جس چیز کو بنیاد بنایا وہ یہی تھی کہ مسلمانوں نے ہمارے تجارتی قافلوں پر حملے شروع کر دیئے ہیں' ہمارا ایک آدمی قتل کر دیا ہے اور اب ہمارا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ جو مال و اسباب سے لدا پھدا شام سے واپس آ رہا ہے' اسے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے شدید خطرہ لاحق ہے۔ ان باتوں کو بنیاد بنا کر کیل کانٹے سے لیس ہو کر ایک ہزار کا لشکر مکے سے نکلا۔ ادھر نبی اکرم ﷺ کو بھی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ آپؐ نے اپنے طور پر بھی گرد و پیش کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے اور کفار مکہ کے ردعمل کا جائزہ لینے کے لئے خبریں حاصل کرنے کا ایک موثر نظام تشکیل دیا ہوا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ کے لئے تو خبر کا ایک دوسرا اور معتبر ترین ذریعہ وحی الٰہی کی صورت میں بھی موجود تھا۔

غزوۂ بدر سے قبل آنحضور ﷺ کی مشاورت

آپؐ تین سو تیرہ جانثار ساتھیوں کی معیت میں مدینہ سے نکلے اور ذرا باہر نکل کر اور ایک رائے کے مطابق مدینہ کے اندر ہی (یہ کچھ اہم تاریخی واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے) ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور وہاں مسئلہ یہ رکھا کہ ایک طرف تو قافلہ ہے جو قریش کے سردار ابو سفیانؓ (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) کے زیر قیادت شام سے آرہا ہے۔ اس کے ساتھ کل پچاس محافظ ہیں اور دوسری جانب ایک لشکر ہے جو مکے سے نکلا ہے' اب تم لوگ سوچ کر مشورہ دو کہ ہمیں کس طرف کا رخ کرنا چاہئے' کس کی طرف بڑھنا چاہئے۔ یہ انداز درحقیقت آپؐ نے اپنے ساتھیوں کے عزم و ہمت (morale) کا اندازہ کرنے کے لئے اختیار فرمایا تھا کہ ان کے اندر اللہ کی راہ میں سرفروشی اور جانفشانی کا جذبہ کس درجے میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقع پر تقریر فرمائی۔ یہ تقریر جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے لبریز تھی۔ آنحضور ﷺ نے ایک خاص سبب سے اس تقریر کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ حضرت عمرؓ نے تقریر فرمائی' آپؐ نے ادھر بھی کوئی خصوصی التفات نہیں فرمایا۔ اس کے بعد حضرت مقدادؓ نے تقریر کی۔ ان کی تقریر اس اعتبار سے قابل ذکر ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ' ہمیں آپ اصحاب موسیٰؑ پر قیاس نہ کیجئے کہ جنہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ : "اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ O" آپؐ جدھر کا بھی ارادہ رکھتے ہوں' بسم اللہ کیجئے! کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے ذریعے سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمادے ---- لیکن آنحضور ﷺ پھر بھی ابھی کچھ منتظر سے تھے۔ اس پر کھڑے ہوئے حضرت سعد ابن عبادہؓ جو رؤساءِ انصار میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ وہ چونکہ خزرج کے سردار تھے لہٰذا مدینے میں گویا کہ ان کی حیثیت سب سے بڑھ کر تھی۔ انہوں نے اس بات کو بھانپتے ہوئے کہ آنحضور ﷺ کس چیز کے انتظار میں ہیں' کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول' معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے ---- اس معاملہ کا پس منظر جان لینا چاہئے کہ بیعت عقبہ ثانیہ

کے موقع پر ہونے والا وہ قول و قرار جو آنحضورؐ اور اہل مدینہ کے درمیان ہوا تھا اور جس کے نتیجے میں مدینہ دار الہجرت بنا' اس میں یہ شق تو موجود تھی کہ مدینے پر اگر کوئی حملہ آور ہو گا تو انصار آنحضور ﷺ کا ساتھ دیں گے اور آپ کی طرف سے مدافعت کریں گے لیکن ایسی کوئی صورت کہ مدینے سے باہر نکل کر کہیں اگر جنگ کا معاملہ پیش آجائے تو اس میں آنحضور ﷺ کا ساتھ دینے یا نہ دینے کی بات اس قول و قرار میں زیر بحث نہیں آئی تھی اور کوئی معاہدہ اس بارے میں طے نہیں پایا تھا۔ یہی وہ بات تھی کہ جس کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کی نگاہیں بار بار انصار کی طرف اٹھ رہی تھیں اور آپ انتظار میں تھے کہ ان کی طرف سے بھی کوئی بات اس موقع پر سامنے آئے۔۔۔۔۔ اس پس منظر میں حضرت سعد ابن عبادہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ' ہم آپ پر ایمان لاچکے ہیں' ہم نے آپ کو اللہ کا رسول مانا ہے یہ گویا ان کی جانب سے اس حقیقت کا اظہار تھا کہ یہ چیز اب اہمیت کی حامل نہیں رہی کہ بیعت عقبہ اولیٰ میں یا ثانیہ میں کیا طے ہوا تھا اور کیا طے نہیں ہوا تھا' صورت حال یہ ہے کہ ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے' آپؐ کو رسول مانا ہے' اب آپ جدھر کا بھی حکم دیں گے ہم حاضر ہیں۔ اگر آپ ہمیں حکم دیں گے کہ ہم اپنی سواریوں سمیت سمندر میں چھلانگ لگادیں تو حاضر ہیں' اور اگر آپ ہمیں برک الغماد تک چلنے کا حکم دیں گے کہ ہم اپنے اونٹوں کو مسلسل دوڑاتے اور لاغر کرتے ہوئے وہاں تک پہنچادیں تو ہم ان شاء اللہ آپ کے اس حکم کی بھی تعمیل میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ آنحضور ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کی یہ جذبات پرور تقریر سنی تو آپؐ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ یہ درحقیقت اصحاب رسول ﷺ کی جانب سے جانثاری اور دین کے لئے سرفروشی اور جانفشانی دکھانے کے عزم کا اظہار تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے مشن کی تکمیل کی خاطر اپنی جان اور مال کو قربان کردینا باعث سعادت سمجھتے تھے۔

اللہ اور مسلمانوں کے مابین بیع و مبایعت

آج گفتگو کے آغاز میں سورہ براۃ کی جس آیت کی تلاوت کی گئی تھی اس میں اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنت کے

عوض خرید لئے ہیں۔ گویا ایک بیع و شراء ہو چکا ہے' ایک سودا طے پا چکا ہے۔ اس جسم و جان اور مال و منال کی حیثیت ایک امانت کی ہے کہ جیسے ہی مطالبہ ہو' حاضر کر دیں۔ چنانچہ اس آیت کے یہ الفاظ خاص طور پر لائق توجہ ہیں: "یُقَاتِلُوْنَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ" کہ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں' قتل کرتے بھی اور خود قتل ہوتے بھی ہیں۔ یعنی میدان جنگ میں پامردی اور جانفشانی سے کام لیتے ہوئے جہاں اللہ اور اس کے رسول کے باغیوں کی گردنیں اڑاتے ہیں وہاں خود اپنی جانوں کا نذرانہ بھی بارگاہ ربانی میں پیش کر کے سرخرو ہونے کو باعث اعزاز جانتے ہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ: "وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ" جو معاہدہ ہوا ہے' جو بیع و شراء ہوا ہے' اب اس کا پورا کرنا اللہ کے ذمے ہے۔ یعنی اہل ایمان اگر اس معاہدے کو نبھائیں گے تو اللہ کا یہ پختہ وعدہ ہے کہ اس کی قیمت وہ جنت کی شکل میں اہل ایمان کو ضرور ادا کرے گا۔ یہ وہ پختہ وعدہ ہے جو توراۃ میں بھی ہوا' انجیل میں بھی ہوا اور انتہائی موثق اور موکد انداز میں قرآن میں بھی ہوا۔ مزید تسلی کے لئے فرمایا: "ومن اوفی بعھدہ من اللہ" اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا وفا کرنے والا اور کون ہو گا؟۔ "فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ" تو اے اہل ایمان خوشیاں مناؤ اس بیع کی جو تم نے کی ہے' وہ سودا جو تم نے کیا ہے اس سے زیادہ کامیاب اور اس سے زیادہ نفع بخش سودا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ "وذلک ھو الفوز العظیم" اور یہی تو ہے اصل اور بڑی کامیابی!

قتال فی سبیل اللہ کا اصل ہدف

اس قتال فی سبیل اللہ کا قرآن حکیم نے جو ہدف معین کیا ہے وہ بھی واضح طور پر ہمارے سامنے رہنا چاہئے۔ اس سے پہلے سورہ البقرہ کی آیت ۱۹۳ کے درج ذیل الفاظ کے حوالے سے بھی یہ مضمون ہمارے مطالعے میں آ چکا ہے کہ "وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ" اے مسلمانو! جنگ کرو ان کفار اور مشرکین سے' یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ یہی بات انتہائی موکد ہو کر

قدرے مزید تفصیل کے ساتھ سورہ الانفال میں بھی آئی ہے کہ جس میں غزوہ بدر کے حالات وواقعات کا تفصیلی ذکر موجود ہے' جو نقطہ آغاز ہے اس سلسلہ قتال کا۔۔وہاں فرمایا : "وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ" اور ان کفار اور مشرکین کے ساتھ جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ زندگی کے بعض گوشوں میں اللہ کی اطاعت ہو رہی ہو اور بعض گوشوں میں اپنے نفس کی یا زمانے کے چلن کی یا کسی باطل نظام کی پیروی کی جا رہی ہو۔ زندگی کا ہر گوشہ اور بالخصوص اجتماعی نظام جب تک اللہ کے کے تابع نہیں ہو تا تمہاری یہ جنگ جاری رہنی چاہئے۔

سورۃ الصف کی مرکزی آیت جب ہمارے زیر مطالعہ تھی کہ جس کے الفاظ یہ ہیں : "هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" تو اس وقت عرض کیا گیا تھا کہ یہاں پر "الدّین کُلّہ" سے کل کا کل نظام زندگی مراد ہے۔ اس کے لئے سورہ الانفال کی یہ آیت در حقیقت "القرآن یفسرہ بعضہ بعضا" کے اعتبار سے ایک یقینی دلیل کی حیثیت رکھتی ہے کہ "الدین" کے لئے بدل کے طور پر "کُل" کا لفظ یا تو سورہ الصف کی اس آیت میں آیا ہے جو قرآن حکیم میں دو اور مقامات پر بھی وارد ہوئی ہے اور یا سورہ الانفال کی اس آیت میں آیا ہے کہ : "وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ"۔ اور یہاں کل دین کا ترجمہ تمام ادیان کرنا ممکن نہیں۔ پورا نظام زندگی بحیثیت کل' اللہ کے دین کے تحت آجائے' یہ ہے مقصد بعثت محمد رسول ﷺ کا۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے جاری کردہ اپنی نوعیت کے دو منفرد
خط و کتابت کورس
۱۔ قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
۲۔ عربی گرائمر خط و کتابت کورس
داخلہ کے خواہشمند حضرات پراسپکٹس اور دیگر تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں
شعبہ خط و کتابت کورس' قرآن کالج' ۱۹۱۔ اناترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔

ڈاکٹر اسرار احمد

علامّہ اقبال اور پاکستان

(بشکریہ روزنامہ 'جنگ')

"تقسیمِ ہند : برطانوی سازش یا الٰہی تدبیر؟" کے عنوان سے میری جو تحریر دو اقساط میں روزنامہ "جنگ" لاہور کی ۲۲/ اور ۲۹/ اپریل کی اشاعتوں میں شائع ہوئی تھی' اس پر پروفیسر سید محمد یوسف عرفانی صاحب کی تنقید تو چونکہ "جنگ" ہی میں شائع ہوئی تھی لہٰذا اس کے ضمن میں وضاحت ضروری تھی۔ چنانچہ گذشتہ جمعہ کی صحبت میں مَیں یہ فرض ادا کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ بعض دوسرے اخبارات میں جو تنقیدی مضامین شائع ہوئے ہیں ان میں جو سَب و شتم یا طنز و استہزاء ہے اس سے تو ظاہر ہے کہ صَرفِ نظر اور غضِ بصر ہی مناسب ہے' رہیں دلیل کے قبیل کی باتیں تو وہ اکثر و بیشتر زرا سے لفظی فرق کے ساتھ وہی ہیں جو عرفانی صاحب کی تحریر میں موجود تھیں' بنابریں ان کے ضمن میں مزید کچھ عرض کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

البتہ اس موضوع پر جو نجی خطوط موصول ہوئے ہیں' ان میں سے بھی اگرچہ اکثر تو اسی انتہاپسندی اور اِفراط و تفریط کے مظہر ہیں جو ہماری قوم کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی ہے' تاہم بعض بہت دلچسپ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی!

انتہاپسندانہ خطوط کا مطالعہ کر کے کسی قدر حیرت ہوئی کہ ہماری قوم کے سیاسی شعور کے حامل طبقات میں اس تلخی کا زہر تقریباً نصف صدی گزر جانے کے باوجود پوری شدت کے ساتھ موجود ہے جو تیس کی دہائی کے اواخر سے شروع ہو کر تقسیمِ ہند کے وقت پورے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ آج بھی بہت سے لوگوں کی رائے یہ ہے

کہ تقسیمِ ہند خالص برطانوی سازش، اور مسلمانانِ عالم کے خلاف اس برطانوی استعمار کا آخری کاری وار تھی جو ایشیا سے مجبوراً پسپائی اختیار کر رہا تھا۔ اور نہ صرف یہ کہ مسلم لیگ انگریزوں کا خود کاشتہ پودا تھی بلکہ اس کی قیادت غیر شعوری ہی نہیں، شعوری طور پر انگریزوں کی ایجنٹ اور برطانوی استعمار کی آلہ کار تھی ـــــ رہا دوسرا انتہاپسندانہ موقف یعنی یہ کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور مولانا حسین احمد مدنیؒ سمیت جملہ نیشنلسٹ مسلمان زعماء و علماء ہندوؤں کے زر خرید ایجنٹ تھے تو یہ تو نجی خطوط ہی نہیں، آئے دن اخبارات کے صفحات میں بھی نظر آتا رہتا ہے۔

بہرحال، ان انتہاپسندی اور افراط و تفریط کے حامل خطوط سے قطعِ نظر ایک نہایت معتدل و معقول، اور دلچسپ اور معلومات افزا خط جناب محمد اقبال ملک صاحب کامیانوالی سے موصول ہوا ہے، جو درج ذیل ہے :

"مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ علامہ اقبال تھے جنہوں نے ۱۹۳۰ء میں جب کہ ابھی قائداعظم تو صرف چودہ نکات تک ہی پہنچے تھے اس تقدیر مبرم کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں ایک آزاد مسلم ریاست قائم ہوگی۔

گزارش ہے کہ حضرت علامہ اقبالؒ نے جس تجویز کو ۱۹۳۰ء کے خطبہ میں پسند فرمایا وہ تجویز ان کے اپنے الفاظ میں وہ تھی جسے نہرو کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ حضرت علامہ نے اسے قابلِ قبول بنانے کے لئے تقسیمِ پنجاب کی تجویز اپنی طرف سے پیش فرمائی۔ یہ تجویز رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانیؒ نے پیش کی تھی اور غالباً انہوں نے نہرو کمیٹی کے سامنے پیش کی۔

حضرت علامہ کے اس خطبہ اور بعد کے خطوط اور بیانات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے ایک صوبہ کی تجویز کو محض پسند فرمایا تھا۔ انہوں نے لفظ state استعمال کیا جبکہ نہرو رپورٹ میں لفظ province ہے۔ اُن دنوں state اور province ہم معنی سمجھے جاتے تھے۔ قائداعظمؒ کے

چودہویں نکتہ مسلم کانفرنس کی قرارداد مورخہ ۲۹-۱-امیں بھی لفظ state استعمال کیا گیا ہے۔ مسلم لیگ کی قرارداد مکمل آزادی ۱۹۳۷ء میں بھی لفظ state ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ ۱۹۳۰ء میں فرمایا کہ مسلمان ریاست میں religious rule نہیں ہوگا اور آخر میں فرمایا:

"We have a duty towards India where we are destined to live and die"

ان کی نظر میں تقسیم ہند نہیں تھی۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے خیالات کی وضاحت لندن ٹائمز مورخہ ۳۱-۱۰-۱۲ میں فرمائی۔ Edward Thompson کے نام خط (۳۴-۷-۲۰) میں صرف تین صوبوں کو اکٹھا کرنے کا خیال پسند فرمایا۔ سندھ کی علیحدگی جو اس وقت مسلّمہ بات تھی، کو بھی ضروری نہ سمجھا۔ اس کی حمایت مجبوری سمجھا۔ Sir Henry Lawrence کے تجویز کردہ صوبوں کو پسند فرمایا۔ قائد اعظمؒ کے نام اپنے خط مورخہ ۳۷-۵-۲۸ میں absolute majority والے مسلم اضلاع پر دعویٰ کرنے کا مشورہ دیا۔ Thomson کے نام خط مورخہ ۱۹۳۴-۳-۴ میں Over-whelming مسلم اکثریت والے علاقوں کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبہ سے تو مشکل سے راولپنڈی ڈویژن کا مطالبہ ہی کیا جا سکتا تھا۔ اپنے خط بنام قائد اعظمؒ مورخہ ۳۷-۶-۲ میں صوبوں کی تقسیم on basis of racial, linguistic and religious affinities کی سفارش کی جس کی سفارش نہرو کمیٹی رپورٹ اور سائمن کمیشن رپورٹ میں بھی تھی۔ یہی وہ تجویز تھی جسے لارڈ لوتھیاں نے پسند کیا تھا اور علامہ نے اس کا ذکر اپنے خط میں کیا۔ کیا Lord Lothian نے ایک خودمختار اسلامی ریاست کی تجویز کو پسند کیا تھا؟

علامہ اقبالؒ کے مطابق تو سندھ کی علیحدگی ضروری نہ تھی اور نسل' زبان اور مذہب کی بنا پر تو صرف پنجاب اور بنگال ہی تقسیم ہو سکتے تھے۔ اس تجویز سے مسلمانوں کو کیا حاصل؟

خداوند کریم کی رحمت سے پاکستان معرض وجود میں آیا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا ہر گھڑی لاکھ شکر ادا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت قائداعظمؒ کو بخشی کہ ان کی قیادت میں مسلمانوں کو یہ تحفہ حاصل ہوا۔ اس میں قائداعظمؒ کے بے مثال کردار کا حصہ کچھ کم نہیں۔ خدا ان کو جنت فردوس کے وسیع گوشہ میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ والسلام' دعاگو محمد اقبال ملک"

(مکان نمبر ۳۵۹' ملک مظفر اسٹریٹ' میانوالی۔)

اپنے اس خط کے ساتھ ملک صاحب نے بہت محنت سے کام لے کر ایک درجن کے قریب دستاویزات کی فوٹو سٹیٹ نقلیں بھی ارسال کی ہیں' جن میں سے دو کا ذکر بہت ضروری ہے اس لئے کہ ان دونوں میں "بظاہر" علامہ اقبال نے "پاکستان" کے تصور سے قطعاً لاتعلقی کا اظہار اور براءت کا اعلان کیا ہے :

(I) مسٹر تھامسن کے نام اپنے خط محررہ ۴/ جون ۱۹۳۴ء میں علامہ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ "پاکستان" کے نام سے ہندوستان کے مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل بقیہ ہندوستان سے علیحدہ وفاقی ریاست کی تجویز سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم "یہ تجویز اصلاً کیمبرج سے شروع ہوئی ہے (یہ اشارہ ہے چوہدری رحمت علی اور ان کے ساتھیوں کی جانب!) اور اس کے مصنفوں نے تو ہم راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے مسلمان شرکاء پر الزام عائد کیا ہے کہ ہم نے برِعظیم کی مسلمان قوم کے مفادات کو ہندوؤں یا نام نہاد نیشنلزم کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے!"

(II) اسی طرح مولانا راغب احسن صاحب کے نام اپنے خط محررہ ۶ / مارچ ۱۹۳۴ء میں بھی حضرت علامہ نے نہایت پر زور الفاظ میں لکھا ہے کہ "میری تجویز جو

اصلاً عظیم تر ہندوستان کے اندر اس کے مسلم اکثریتی صوبے کے قیام سے متعلق ہے' اسے ہرگز وفاقِ ہند سے علیحدہ ملک "پاکستان" کی تجویز کے ساتھ گڈمڈ نہ کیا جائے!"

جہاں تک محترم محمد اقبال ملک صاحب کے خط کے آخری حصے کا تعلق ہے اس سے کم از کم مجھے کوئی اختلاف نہیں ہے' یعنی یہ کہ (i) پاکستان کا قیام اللہ کی رحمت اور فضل کا مظہر ہے' (بلکہ میرے نزدیک تو یہ اس کی "تدبیرِ امر" کا نتیجہ ہے!) اور (ii) اس کے ضمن میں قائد اعظم محمد علی جناح کی شخصیت و کردار' اور مدبرانہ سیاست اور قائدانہ صلاحیت کو فیصلہ کن دخل حاصل ہے۔ تاہم اس سلسلے میں علامہ اقبال کے کردار کی جو بالواسطہ نفی کی گئی ہے وہ بہت محلِ نظر ہے۔ محترم اقبال ملک صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ غور فرمائیں کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں میں اپنے جداگانہ قومی تشخص کا قوی شعور از سرِ نو بیدار نہ ہو جاتا تو قائد اعظم کی ماہرانہ سیاست و قیادت کس بنیاد پر نتیجہ خیز ہو سکتی تھی؟ اور اس سلسلے میں کون نہیں جانتا کہ علامہ اقبال کا کردار فیصلہ کن ثابت ہوا۔ اگرچہ بعد میں اس احساس اور تصور کو بعض دوسرے اصحابِ قلم خصوصاً مولانا مودودی مرحوم نے مزید اجاگر کیا اور پروان چڑھایا۔ اس معاملے میں علامہ مرحوم یقیناً حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت کے بروز کی حیثیت رکھتے ہیں' جنہوں نے تین سو سال قبل امتِ مسلمہ کے جداگانہ تشخص کو ہمہ اوستی تصوف سے لاحق خطرے کا سدِّباب کیا تھا۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ بالکل وہی کارنامہ اس صدی میں حضرت علامہ نے سرانجام دیا' ورنہ "متحدہ قومیت" اور اس سے بھی آگے بڑھ کر "وحدتِ ادیان" کے تصورات نے ایک بار پھر صنم خانہ ہند میں شہنشاہ اکبر کے "دینِ الٰہی" کی یاد تازہ کر دی تھی!

البتہ محترم محمد اقبال ملک صاحب کے خط اور خصوصاً مندرجہ بالا دو دستاویزی حوالوں کے ذریعے یہ "عقدہ" ضرور سامنے آتا ہے' اور وہ بظاہر بالکل "لاینحل" بھی نظر آتا ہے' کہ جمیع اسلامیانِ ہند نے حضرت علامہ کو مصور و مفکرِ پاکستان کیسے قرار

دے دیا جبکہ وہ خود ہندوستان سے علیحدہ اور آزاد "پاکستان" سے بار بار اظہارِ لاتعلقی کرتے رہے؟ لیکن ذرا دِقّتِ نظر سے کام لیا جائے تو یہ مسئلہ بہت آسانی کے ساتھ حل ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ہم پہلے تو "تحریک پاکستان" کے مصنف صاحبزادہ عبد الرسول صاحب کا حسب ذیل نہایت مختصر لیکن حد درجہ جامع "قولِ فیصل" نقل کر رہے ہیں جس میں محترم ملک صاحب کے پورے استدلال کا خلاصہ بھی موجود ہے اور اس کا کافی اور شافی جواب بھی :

> "بعض محققین کی رائے میں علامہ اقبال کے ذہن میں ایک آزاد مسلم ریاست کا تصور نہیں تھا۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ شمال مغربی برِّصغیر کے مسلم علاقوں کو ایک ریاست (بہ معنی صوبہ) میں ضم کر دیا جائے جسے اندرونی خود اختیاری حاصل ہو اور وہ ہندوستان کی کمزور فیڈریشن کا حصہ ہو۔ لیکن اکثر فضلاء نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کے نزدیک علامہ نے خطبہ میں سب سے پہلے ان مطالبات کو حق بجانب قرار دیا جو دہلی مسلم کانفرنس میں پیش کئے گئے تھے اور جن میں کمزور فیڈریشن اور صوبوں کی اندرونی خود اختیاری کا مطالبہ شامل تھا۔ اس کو علامہ نے "برصغیر کے اندر مسلم برصغیر" کہا۔ اس کے بعد جب انہوں نے یہ کہا کہ "ذاتی طور پر میں ان مطالبات سے آگے جانا چاہتا ہوں" تو ان کے ذہن میں آزاد مسلم ریاست کا تصور بالکل واضح تھا۔"

لیکن اس عقدہ کا اصل حل یہ ہے کہ علامہ اقبال کی شخصیت کی عظمت کا ایک نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ ان کی ذات میں ایک جانب بلند ترین "تصور پسندی" (Idealism) کی بلند پروازی بلکہ گردوں پیمائی اور دوسری جانب ٹھوس زمینی حقائق پر مبنی "واقعیت پسندی" (Realism) کا حسین امتزاج موجود تھا۔ چنانچہ ایک جانب وہ مسلمانانِ عالم کی وحدتِ ملی کے عظیم ترین علمبردار اور قافلۂ ملی کے سب

سے بڑے حدی خواں ہیں تو دوسری جانب وہ اپنے خطبات میں صاف تسلیم کرتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں فی الواقع کوئی ایک "امتِ مسلمہ" سرے سے موجود ہی نہیں ہے، بلکہ بہت سی مسلمان "اقوام" ہیں اور اگر سرِدست ان مسلمان اقوام کی کوئی "دولتِ مشترکہ" ہی وجود میں آسکے تو یہ بھی بڑی بات ہوگی۔ مزید برآں حضرت علامہ ایک "نابغہ" انسان ہونے کے ناتے خود اپنے قول ؎ "گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود" کے مصداق مستقبل کے پردوں میں دور دور تک جھانکنے کی صلاحیت کے حامل "وِژنری" (Visionary) اور "سیئر" (Seer) شخص تھے۔ چنانچہ اپنے خطبہ الٰہ آباد میں انہوں نے یقیناً پاکستان کی کوئی "تجویز" تو ہرگز پیش نہیں کی تھی، البتہ مستقبل کی سکرین پر ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں قائم ہونے والی جس آزاد اسلامی ریاست کا "مشاہدہ" کیا تھا اس کی "پیشین گوئی" ضرور کی تھی۔ اب ظاہر بات ہے کہ مستقبل کی "تقدیر مبرم" کا "مشاہدہ" ایک علیحدہ بات ہے اور حال کے ٹھوس اور سنگین حقائق و واقعات کے حوالے سے کوئی "تجویز" پیش کرنا بالکل دوسری بات ہے! اور ان دونوں کے مابین اگر کوئی فرق و تفاوت، یہاں تک کہ "تضاد" بھی نظر آئے تو اس میں ہرگز کوئی تعجب یا تحیر کی بات نہیں ہے! اس لئے کہ تجویز ہمیشہ موجود الوقت واقعات و حقائق کی حدود و قیود کے اندر اندر ہی پیش کی جاسکتی ہے!

حضرت علامہ کے ایک ادنیٰ معتقد اور خوشہ چین ہونے کے ناتے بالکل یہی حال پاکستان کے حال اور مستقبل کے حوالے سے میری آراء کا ہے۔ یعنی ایک جانب آسمانی حقائق یعنی کلام اللہ اور حدیثِ نبوی ﷺ کے نصوص اور اشارات، اور گزشتہ چار سو برس یعنی امتِ مسلمہ کی تاریخ کے "الف ثانی" کی چار صدیوں کی تاریخ کے حوالے سے مجھے یہ "یقینِ کامل" ہے کہ اسلام کا احیاء اور عالمی خلافت علیٰ منہاج النبوت کے قیام کا نقطۂ آغاز بننے کی سعادت اسی سلطنتِ خداداد پاکستان اور اس سے ملحق خطۂ ارضی کے حصے میں آئے گی جو عہدِ نبوی ﷺ میں "خراسان"

کہلاتا تھا۔ لیکن دوسری جانب جب میں پاکستان کے داخلی کوائف اور معروضی حقائق اور ان پر مستزاد دُور و نزدیک اور گرد و پیش کے عالمی اور بین الاقوامی حالات کو دیکھتا ہوں تو نہ صرف یہ کہ شدید مایوسی پیدا ہوتی ہے بلکہ لرزہ طاری ہوتا ہے کہ کہیں اللہ کے "عذابِ اکبر" کا کوڑا ہماری پیٹھ پر فوراً ہی نہ آپڑے! چنانچہ جب بھی کبھی پاکستان کے داخلی معاملات میں کوئی نئی پیچیدگی پیدا ہوتی ہے یا ہماری قومی و ملی زندگی کا کوئی نیا سانحہ سامنے آتا ہے تو واقعتاً دل ڈوبنے سا لگتا ہے اور کیفیت بالکل وہی ہو جاتی ہے جو غالب نے ان الفاظ میں بیان کی کہ ؎

"سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے!"

اور واقعہ یہ ہے کہ میں بمشکل ہی دوبارہ اپنا متذکرہ بالا صغریٰ کبریٰ جوڑ کر امید کی کوئی صورت پیدا کر پاتا ہوں۔

اس ضمن میں حال ہی میں پاکستان کے سینئر ترین صحافی، اور قائداعظم، مسلم لیگ اور پاکستان پر "ایمانِ صادق" رکھنے والے انسان جناب زیڈ اے سلہری صاحب کا جو مضمون دو اقساط میں شائع ہوا ہے، اس کے آغاز میں تو اگرچہ انہوں نے میرا اور "ہمدردِ ملت" حکیم محمد سعید صاحب کی یاس انگیزی کا ذکر تنقیدی رنگ میں کیا ہے لیکن اپنی پوری تحریر کی تان بالآخر اسی بات پر توڑی ہے کہ اگر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز شریف گروپ میں کوئی مفاہمت نہ ہوئی تو پاکستان میں حالات بالکل وہی رخ اختیار کر چکے ہیں جو سقوطِ ڈھاکہ کے وقت تھے!" —— اب ہر شخص جانتا ہے کہ یہ "اگر" کتنا بڑا ہے اور پاکستان کے معروضی حالات میں کس قدر "محال مطلق" کی حیثیت رکھتا ہے! تو اس کا نتیجہ بھی کیا وہی "ناامیدی" نہیں ہے جس کے ضمن میں انہوں نے مجھے اور حکیم سعید صاحب کو ملامت کی ہے؟۔ "بَیِّنوا تُؤجَروا!"

تاہم میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھ پر خواہ گاہ بگاہ متذکرہ بالا "ناامیدی" کا

حملہ ہوتا رہتا ہے' تاہم وہ "مایوسی" مجھ پر بحمداللہ آج تک کبھی طاری نہیں ہوئی جو انسان کی کمرِ ہمت کو توڑ کر رکھ دے اور اس میں سے کچھ "کرنے" کا داعیہ سلب کر لے۔ اور چونکہ میری سوچ کا صغریٰ کبریٰ یہ ہے کہ (i) پاکستان کی بقاء اور استحکام صرف اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کی بنیاد پر ممکن ہے (ii) اور وہ یہاں صرف اس انقلابی جدوجہد کے ذریعے قائم کیا جاسکتا ہے جس کو اصطلاح قرآنی میں "جہاد فی سبیل اللہ" کہا جاتا ہے۔ اور (iii) اس کے لئے اولاً ایک معتدبہ تعداد میں لوگوں کے اندر ایمانِ حقیقی یعنی یقینِ قلبی درکار ہے جس کا منبع و سرچشمہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے اور ثانیاً ایک ایسی "حزب اللہ" درکار ہے جس کے وابستگان اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں شریعتِ اسلامی کو بالفعل نافذ کر چکے ہوں اور پھر "سمع و طاعت فی المعروف" پر مبنی نظمِ جماعت میں شامل ہو کر ایک "بنیانِ مرصوص" بن جائیں۔ لہٰذا میری پوری زندگی اور جملہ صلاحیتیں اور توانائیاں تعلیم و تعلّمِ قرآن' ایک منظم جماعت کے قیام' اور عوام کو خلافت علیٰ منہاج النبوت کی برکات اور عہدِ حاضر میں اس کے سماجی' سیاسی اور معاشی خدوخال سے روشناس کرانے کے لئے وقف ہیں۔

امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

راہِ نجات

سورۃ العصر کی روشنی میں

جو ایک نہایت وقیع تحریر اور ایک حد درجہ جامع تقریر پر مشتمل ہے'
قیمت اعلیٰ ایڈیشن: -/۳۰ روپے (مضبوط دیدہ زیب جلد' سفید کاغذ)
" اشاعتِ عام: -/۱۰ " (غیر مجلد' دبیز اخباری کاغذ)
شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن'

علّامہ اقبال' قیامِ پاکستان' اور اِحیائے اسلام

جہاں تک علامہ اقبال مرحوم کے بارے میں اس شبہ کا تعلق ہے کہ وہ بھارت سے علیحدہ ایک آزاد اور خود مختار پاکستان کے قائل نہیں تھے' اس کے ازالے کے لئے اگرچہ وہ استدلال بھی کفایت کرتا ہے جو گزشتہ جمعہ کو صاحبزادہ عبد الرسول صاحب کی تالیف "تحریک پاکستان" کے حوالے سے پیش کیا جا چکا ہے' تاہم اس کا ازالہ ایک مزید اور قوی تر دلیل سے بھی ہوتا ہے اور یہ بھی' بحمد اللہ' خطبۂ الٰہ آباد ہی میں موجود ہے' جس کی رُو سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علامہ نے ایک علیحدہ ملک کے قیام کا مطالبہ بھی کیا تھا بلکہ یہ بھی کہ اس سے حضرت علامہ کا اصل مقصود احیائے اسلام تھا!!

چنانچہ ابتدائی اور بنیادی دلیل تو وہی ہے کہ حضرت علامہ نے اپنے دسمبر ۱۹۳۰ء کے خطبے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قرارداد کی بھرپور تائید کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

> "مجھے یقین ہے کہ یہ اجتماع ان تمام مطالبات کی جو اِس قرارداد میں موجود ہیں نہایت شدومد سے تائید کرے گا اور ذاتی طور پر میں تو ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے خواہ یہ ریاست سلطنتِ برطانیہ کے اندر حکومتِ خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس سے باہر!"

چنانچہ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ ۱۹۳۰ء میں جبکہ سلطنتِ برطانیہ کا سورج ابھی نصف النہار پر چمک رہا تھا اور اس کے ایشیا سے پسپائی اختیار کرنے کے کوئی آثار نہ تھے' اس سے بڑھ کر انقلابی بات اور کیا کہی جا سکتی تھی۔ پھر جب اُس وقت برِّعظیم پاک و ہند کی "وحدت" بالکلیہ سلطنتِ برطانیہ کی مرہونِ منت تھی تو کیا سلطنتِ برطانیہ سے باہر قائم

ہونے والی ریاست کا بقیہ ہندوستان یعنی موجودہ بھارت سے علیحدہ ہو جانا اس کا منطقی نتیجہ نہیں تھا جس کا ذکر محولہ بالا الفاظ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے؟ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر جب حضرت علامہ نے فرمایا کہ :

"مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان میں بالآخر ایک منظم اسلامی ریاست کا قیام تقدیر مبرم (Destiny) ہے!"——

تو اس کے بعد تو اس امر میں کسی شک اور شبہ کی سرے سے گنجائش باقی ہی نہیں رہتی کہ حضرت علامہ کی باطنی آنکھ اُس وقت مستقبل کے پردۂ غیب میں مستور موجودہ سلطنتِ خداداد پاکستان کا "مشاہدہ" کر رہی تھی۔

اس معاملے میں اس سے بھی زیادہ فیصلہ کن الفاظ جو خطبہ الٰہ آباد میں وارد ہوئے حسب ذیل ہیں :

"میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں' اس سے برصغیر کے اندر توازنِ قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے گا جو اس کی تہذیب و تمدن' شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔"

ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ حضرت علامہ کے ان الفاظ میں صرف قیام پاکستان کا "مطالبہ" ہی موجود نہیں تھا بلکہ اس سے جو اصل مقصود پیش نظر تھا اس کی صراحت بھی موجود ہے —— یعنی احیاء اسلام! یا حضرت علامہ کے اپنے الفاظ کے مطابق اسلام پر جو مُردنی صدیوں کے زوال اور جمود کے باعث طاری ہو گئی تھی اس کا خاتمہ کرنا اور اسے حیاتِ تازہ عطا کر کے اس میں حرکت اور توسیع کی صورت پیدا کرنا' تاکہ روحِ دین اور روحِ عصر ایک دوسرے کے ساتھ از سرِ نو ہم آہنگ ہو جائیں۔

یہاں پھر یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر علامہ کے پیش نظر عظیم تر ہندوستان میں صرف ایک مسلمان اکثریت والا صوبہ ہوتا تو اس سے محولہ بالا مقصد کیسے پورا ہو سکتا تھا؟ ایک منظم ریاست کے مختلف صوبوں میں زبان اور کلچر کے جزوی اختلافات تو برقرار رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح محدود مذہبی تصورات بھی ایک صوبے تک میں مختلف لوگوں کے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اسلام کی وہ تعبیر جو حضرت علامہ کے اس خطبے میں از اول تا آخر تانے بانے کے مانند بُنی ہوئی نظر آتی ہے، یعنی یہ کہ وہ بیک وقت ایک "اخلاقی نصب العین" بھی ہے اور ایک "نظامِ سیاست" بھی، اس کا احیاء اور ارتقاء تو ظاہر ہے کہ صرف ایک بالکل آزاد اور کلی طور پر خود مختار ملک میں ہی ممکن ہے!

واقعہ یہ ہے کہ ہم اِس وقت ملکی اور قومی سطح پر فکر و نظر کے جس انتشار میں مبتلا ہیں اس کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے مصوّر و مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کے نظریات کو بالکل طاقِ نسیاں پر رکھ دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا خطبۂ الٰہ آباد جو ہمارے یہاں پورے کا پورا تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں کے "مطالعہ پاکستان" کے نصاب میں لازمی طور پر شامل ہونا چاہئے تھا پاکستان بھر میں دستیاب ہی نہیں ہے!

اب سے لگ بھگ تین سال قبل ۲/ اگست ۹۱ء کو میں نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ میں علامہ مرحوم کے اس خطبے کے بعض جملے نقل کئے اور ساتھ ہی کلام کی روانی میں اعلان کر دیا کہ ہم یہ پورا خطبہ ہفت روزہ "ندا" میں (جو اب "ندائے خلافت" کے نام سے شائع ہوتا ہے) میں شائع کر دیں گے۔ لیکن پھر جب اس کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ کم از کم شہر لاہور میں تو وہ کہیں دستیاب نہیں ہے۔ تھک ہار کر اقبال اکیڈمی سے رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں بھی اصل انگریزی خطبے اور اس کے اردو ترجمے کے بہت پرانے چھپے ہوئے اور نہایت بوسیدہ نسخے محض "بطورِ یادگار" محفوظ ہیں۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح اردو ترجمے کی فوٹو اسٹیٹ نقل حاصل کی گئی جس کا تقریباً تین چوتھائی حصہ "ندا" کی اشاعت بابت یکم ستمبر ۹۱ء میں

شائع کر دیا گیا۔ ذیل میں قارئین "جنگ" کے لئے اس کے ابتدائی اور اختتامی کلمات کے علاوہ درمیان میں سے چند اقتباسات نقل کئے جا رہے ہیں تاکہ اندازہ ہو کہ پاکستان کا اساسی فلسفہ کیا ہے :

(نوٹ : علامہ کے انگریزی خطبے کا اردو ترجمہ سید نذیر نیازی مرحوم کا ہے۔)

"میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے ایک ایسے وقت میں مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کا اعزاز بخشا ہے، جبکہ مسلمانانِ ہندوستان کی سیاسی زندگی نے ایک نہایت ہی نازک صورت حال اختیار کر لی ہے ---- میں نے اپنی زندگی کا زائد حصہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست، تہذیب و تمدن اور ادبیات کے مطالعہ میں صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس مسلسل اور متواتر تعلق کی بدولت جو مجھے تعلیماتِ اسلامی کی روح سے رہا ہے، میں نے اس امر کے متعلق ایک خاص بصیرت پیدا کر لی ہے کہ ایک عالمگیر حقیقت کے اعتبار سے اسلام کی حیثیت کیا ہے۔"

"یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بحیثیت ایک اخلاقی نصب العین اور نظامِ سیاست کے (اس آخری لفظ سے میرا مطلب ایک ایسی جماعت ہے جس کا نظم و انضباط کسی نظامِ قانون کے ماتحت عمل میں آتا ہو لیکن جس کے اندر ایک مخصوص اخلاقی روح سرگرم کار ہو) اسلام ہی وہ سب سے بڑا جزوِ ترکیبی تھا جس سے مسلمانانِ ہند کی تاریخ حیات متاثر ہوئی --- حقیقت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے۔"

"دنیائے اسلام کے پیش نظر ایک ایسا عالمگیر نظام سیاست ہے جس کی اساس وحی و تنزیل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ چونکہ ہمارے فقہاء کو ایک عرصۂ دراز سے عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رہا اور وہ عہدِ جدید کی داعیات سے بالکل بیگانہ ہیں لہٰذا اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اس میں از سرِ نو قوت پیدا کرنے

کے لئے اس کی ترکیب و تعمیر کی طرف متوجہ ہوں---- مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اس خالص علمی بحث کے لئے مجھے معاف فرمائیں گے' لیکن آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو اس امر سے مایوس نہیں ہو گیا ہے کہ اسلام اب بھی ایک زندہ قوت ہے جو ذہن انسانی کو نسل و وطن کی قیود سے آزاد کر سکتی ہے۔ جس کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہب کو فرد اور ریاست دونوں کی زندگی میں غیر معمولی اصلیت حاصل ہے اور جسے یقین ہے کہ اسلام کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسے کسی دوسری تقدیر کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔"

"سوال یہ ہے کہ آج جو مسئلہ ہمارے پیش نظر ہے' اس کی صحیح حیثیت کیا ہے۔ کیا واقعی مذہب ایک نجی معاملہ ہے اور آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے اسلام کا بھی وہی حشر ہو جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں لیکن اس کے نظام سیاست کی بجائے ان قومی نظامات کو اختیار کر لیں جن میں مذہب کی مداخلت کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا---- میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لئے بھی کسی ایسے نظام سیاست پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہو گا' جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر' جو اسلام کے اصول اتحاد کی نفی کرے' مبنی ہو---- اگر اکبر کے دین الٰہی یا کبیر کی تعلیمات عوام الناس میں مقبول ہو جاتیں تو ممکن تھا کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی ایک نئی قوم پیدا ہو جاتی' لیکن تجربہ بتلاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور متعدد جاتیوں میں اس قسم کا کوئی رجحان موجود نہیں کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کر کے ایک وسیع جماعت کی صورت اختیار کر لیں۔!"

"مادیات سے گزر کر روحانیت میں قدم رکھئے۔ مادہ کثرت ہے' لیکن روح نور ہے' حیات ہے' وحدت ہے۔ ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے

سیکھا ہے، یہ ہے کہ صرف اسلام تھا جس نے آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا، نہ کہ مسلمان۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متأثر ہوں، تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سرِ نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔"

"قرآن مجید کی ایک نہایت معنی خیز آیت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ایک پوری ملت کی موت و حیات کا سوال ایسا ہی ہے جیسے ایک نفسِ واحد کا۔ پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم مسلمان جو بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ ہم ہی تھے جو سب سے پہلے انسانیت کے اس بلند اور ارفع تصور پر عمل پیرا ہوئے، ایک (جسدِ) واحد کی طرح زندہ رہیں؟ بہرحال اس کے صحیح معنی آپ پر اسی وقت آشکارا ہو سکیں گے جب آپ ان کے مشاہدے کے لئے ایک صحیح اجتماعی "انا" پیدا کر لیں گے۔"

کیا علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کے یہ اقتباسات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں کہ حضرت علامہ کے پیش نظر اصلاً "اِحیاءِ اسلام" تھا؟ جس کے لئے ان کی بصیرتِ باطنی نے تو مستقبل کے آزاد اور خود مختار ملک "پاکستان" کا نقشہ واضح طور پر دیکھ لیا تھا۔ اگرچہ اس کے ابتدائی خاکے (Blue-print) کے طور پر آپ نے صریح اور جلی طور پر تو صرف یہ مطالبہ کیا کہ مستقبل کے پاکستان کو فوری طور پر ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع چار فیصلہ کن طور پر مسلم اکثریت کے حامل صوبوں یعنی پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کو متحد کر کے ایک صوبے کی صورت دے دی جائے ـــــ البتہ خفی اور مضمر انداز میں اِحیائے اسلام کے مقصدِ عظیم کی لازمی اور منطقی ضرورت کے طور پر آزاد اور خود مختار پاکستان کا "مطالبہ" بھی کر دیا اور اس کے قیام کی پیشین گوئی بھی فرما دی۔

اور اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے قائداعظم کے اس قول کی جو آپ نے ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن پلان کو تسلیم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ اس میں بالقوہ پاکستان کے بیج موجود ہیں۔ یعنی خواہ سردست ہندوستان میں صرف تین "زون" بنیں گے جنہیں مکمل داخلی خود اختیاری حاصل ہوگی لیکن ان علاقوں کا تعین بہرحال انہی خطوط پر ہوا ہے جو مطالبۂ پاکستان کی اساس ہیں۔ اور ان شاء اللہ ان ہی کی بنیاد پر آزاد اور خود مختار پاکستان وجود میں آجائے گا ـــــ یہ دوسری بات ہے کہ مشیتِ ایزدی اور تدبیرِ الٰہی کو یہ "تاخیر" بھی گوارا نہ ہوئی اور اللہ نے اپنے خصوصی تصرف کو بروئے کار لا کر ۱۹۴۷ء میں آزاد اور خود مختار پاکستان قائم کرا دیا ـــــ "تاکہ اب وہ دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو!"
(سورۃ الاعراف : آیت ۱۲۹)

چنانچہ یہی اساس ہے میری اس رائے کی کہ پاکستان کا قیام اصلاً "تدبیرِ الٰہی" کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوا۔ اور اب ہم مسلمانانِ پاکستان علامہ اقبال کے ان الفاظ کے مطابق ایک شدید آزمائش سے دوچار ہیں کہ ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے تُو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد اور تحریک چلانا ضروری ہے یا نہیں ہے

تحریک اسلامی انقلاب کا استفتاء اور علماء کرام کے جوابات

اس بحث کا آغاز میثاق کے گزشتہ شمارے سے ہوا تھا اور اس ضمن میں محترم محمد زمان صاحب کے استفسار کے جواب میں مولانا سید جمال الدین کاظمی کی مفصل تحریر ہدیۂ قارئین کی گئی تھی۔ اس بحث کی اہمیت کے پیش نظر بعض دیگر علماء کرام کے جوابات بھی ذیل میں قارئین کی نذر کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

استفتا

(۱) اس وقت پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہے یا نہیں؟

(۲) اسلامی آئین کے نفاذ کی شرعی حیثیت اور ضرورت کیا ہے؟

(۳) اگر کسی ملک میں اسلامی آئین نافذ نہیں تو اس ملک کے عوام اور علماء و مشائخ پر ازروئے شرع کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ نیز اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہونے کی صورت میں ان کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

(۴) اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد اور تحریک چلانا کس قدر ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس جدوجہد میں مجروح یا مرجانے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۵) اگر کسی اسلامی ملک کا سربراہ اسلامی آئین نافذ نہیں کرتا تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ نیز اس سے تعاون یا اس کی مخالفت کرنا ازروئے شرع کیسا ہے؟

از محمد زمان

(ناظم قمر العلوم فریدیہ 'ماری پور روڈ' کراچی)

☆ ☆ ☆

ان علماء کرام کے اسمائے گرامی جن کے جوابات ذیل میں درج کئے جارہے ہیں :

(۱) مولانا بشیر احمد چشتی' خطیب اعظم پنڈی گھیب
(۲) مولانا مشتاق احمد چشتی' شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان
(۳) جناب پروفیسر ساجد میر' ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث پاکستان' لاہور
(۴) مولانا مفتی محمد رفیق الحسنی' مہتمم گلزار حبیب کراچی
(۵) مولانا ابوالنصر منظور احمد' مہتمم جامعہ فریدیہ ساہیوال

☆ ☆ ☆

سوال(۱) : کیا اس وقت پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہے یا نہیں؟

جواب :

☆ اب تک ملک پاکستان میں اسلامی نظام کی بو تک بھی نہیں آئی! جو کچھ بظاہر بتایا جاتا ہے وہ سب کچھ اسلام کے خلاف ایک مزاح ہے۔ (مولانا بشیر احمد چشتی)

☆ اس وقت پاکستان میں کامل طور پر اسلامی آئین نافذ نہیں ہے۔ چند جزوی شقیں نافذ ہیں لیکن بموجب ارشاد خداوندی "ادخلوا فی السلم کافہ" مکمل طور پر اسلامی آئین نافذ کرنا ضروری ہے۔ (مولانا مشتاق احمد چشتی)

☆ پاکستان میں اس وقت مکمل اسلامی نظام نافذ نہیں ہے۔ (پروفیسر ساجد میر)

☆ یہ بات اظہر من الشمس ہے اور دور حاضر کے سربراہ نے تسلیم بھی کیا ہے کہ اس وقت اسلامی آئین نافذ نہیں ہے' بلکہ رومی آئین نافذ ہے۔ عدالتیں اسی آئین کے قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت یا نظام زکوٰۃ جیسے امور کو اسلامی آئین کے نفاذ سے تعبیر کرنا اس مقدس آئین سے مذاق ہے اور عوام اور خلق کائنات سے بدعہدی کے ساتھ ساتھ دجل و مکر و فریب ہے۔ واللہ خیر الماکرین
(مفتی محمد رفیق الحسنی)

☆ اللہ کرے پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہو' تاحال اس دولت سے محروم ہیں۔
(مولانا منظور احمد)

☆ ☆ ☆

سوال (۲) : اسلامی آئین کے نفاذ کی شرعی حیثیت اور ضرورت کیا ہے؟

جواب :

☆ اسلامی آئین قرآن پاک ہے' جس کا نفاذ کائنات ارضی پر خالق کائنات نے کر رکھا ہے۔ اس کے نیک بندے اس ہی کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ فقط باغیوں اور سرکشوں کے لئے سزا بظاہر نہیں مل رہی۔ اس کی جوابدہی قبر اور حشر میں ہم سب کی ہوگی!۔
(مولانا بشیر احمد چشتی)

☆ اسلامی آئین کا نفاذ اس لئے ضروری ہے کہ اس ملک کا حصول خالصتاً اسلامی نظریئے کے تحت ممکن ہوا' اور غالباً اس وقت کرۂ ارض پر پاکستان واحد ملک ہے جو خالصتاً اسلامی نظریئے کے تحت معرض وجود میں آیا۔ لہٰذا یہاں اسلامی آئین نافذ نہ کرنا اس ملک کی اساس اور بنیادی مقصد سے غداری کے مترادف ہے۔
(مولانا مشتاق احمد چشتی)

☆ اسلامی آئین کا نفاذ شرعاً فرض ہے' کیونکہ جب کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو اقرار کرتا ہے' کہ وہ اپنی پوری زندگی اللہ کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کے تحت گزارے گا۔
(پروفیسر ساجد میر صاحب)

☆ اسلامی آئین کا نفاذ فرض عین ہے' اس کا ترک استخفافاً و استحقالاً کفر ہے اور کاہلی اور عذر غیر شرعی کی صورت میں گناہ کبیرہ اور ظلم ہے۔ (مفتی محمد رفیق الحسنی)

☆ اسلام ہی حق آگاہی کا راستہ ہے جسے اختیار کئے بغیر حق شناسی ناممکن ہے۔ دنیوی کامیابی اخروی نجات کا انحصار اسی میں مضمر ہے۔ (مولانا منظور احمد)

☆ ☆ ☆

سوال (۳) : اگر کسی ملک میں اسلامی آئین نافذ نہیں تو اس ملک کے عوام اور

علماء و مشائخ پر از روئے شرع کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ نیز اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہونے کی صورت میں ان کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

جواب :

☆ بہت ہی عجیب سوال ہے۔ درحقیقت علماء اور مشائخ ہی فرقہ واریت' انانیت اور غفلت کی وجہ سے ذمہ دار ہیں! اسلام کا منشاء ساری دھرتی پر خدا تعالیٰ کے دین کا نفاذ ہے۔ جب تک ساری دھرتی پر اسلام نافذ نہیں ہو جاتا جہاد ساقط نہیں ہوتا۔ افسوس کہ منبر و خانقاہ کے اکثر مقامات پر سب باتیں ہوتی ہیں' سوائے جہاد کے! جہاد کے بغیر مسلمان قوم کبھی سرخرو نہ ہوئی ہے نہ ہوگی! سب مسائل کے باوجود جذبہ جہاد کے بغیر مومن کی موت ایمان پر نہ ہوگی! (مولانا بشیر احمد چشتی)

☆ اگر کسی اسلامی ملک میں اسلامی آئین نافذ نہ ہو تو اس ملک کے عوام' علماء اور مشائخ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حدود شرعی کی پابندی کرتے ہوئے ایسے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کریں جن سے اسلامی آئین کی راہ ہموار ہو سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود شرعی احکام کی پابندی کی جائے اور پھر وقت کے حکمرانوں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ بھی شریعت کے پابند بنیں اور ملک میں اسلامی آئین نافذ کریں۔ (مولانا مشتاق احمد چشتی)

☆ جو ملک اسلامی آئین کی تجربہ گاہ کے طور پر بنایا گیا ہو' مگر اس میں اسلامی نظام نافذ نہ کیا جائے' تو عوام' مشائخ اور علماء کو ممکنہ حد تک اس کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔ اس ذمہ داری کو محسوس نہ کرنا اور اس کے لئے عملی جدوجہد سے گریز کرنا ایمان کے تقاضے کے خلاف ورزی ہے۔ (پروفیسر ساجد میر)

☆ اگر اسلامی ملک میں اسلامی آئین نافذ نہ ہو تو ملک کے عوام' علماء' مشائخ سب پر حسب استطاعت اسلامی آئین کے نفاذ کے لئے سعی اور کوشش واجب ہے۔ شرعی حدود میں رہتے ہوئے ہر وہ طریقہ کار اور عمل واجب ہے جس سے اسلامی آئین کا نفاذ ممکن ہو سکے۔ اگر عوام' مشائخ اور علماء اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتے تو تارک الواجب ہونے کی وجہ سے گنہار ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی آئین کے

نفاذ کے لئے مساعی اور حسب حال کوششیں شروع کرنا ضروری ہے۔

(مفتی محمد رفیق الحسنی)

☆ علماء و مشائخ، عوام و خواص سبھی پر لازم ہے کہ اس کے نفاذ کے سلسلہ میں میدان عمل میں آئیں اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں۔ (مولانا منظور احمد)

☆ ☆ ☆

سوال (۴) : اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد اور تحریک چلانا کس قدر ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس جدوجہد میں مجروح یا مرجانے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب :

☆ اسلامی نظام کے نفاذ کی سعی فرض اولین ہے، بشرطیکہ اسلام کو سمجھا جائے۔ محض ملا کا اسلام فساد اور فرقہ واریت پر مبنی ہے۔ حالانکہ اسلام تسلیم و رضا اور ایمان و سلامتی کا نام ہے! فساد و فتنہ دعویٰ ملکیت سے پیدا ہوتا ہے، ترک دعویٰ سے نہیں ہوتا۔ ہم سب خدا تعالیٰ کے خلیفہ فی الارض ہیں نہ کہ مطلق العنان مالک ہیں۔ ملایکہ نے اسی لئے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو تو خلیفہ بنا رہا ہے اور یہ مالک بن بیٹھے گا۔ ساری کائنات ارضی پر دعویٰ ملکیت کا مزہ دیکھ لیں! تفصیلات کسی وقت پھر عرض کروں گا قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں! (مولانا بشیر احمد چشتی)

☆ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ہر ایسی پر خلوص جدوجہد کی جائے جو سیاسی مقاصد سے بالاتر ہو کر محض نظام مصطفےٰ ﷺ کو برسراقتدار لانے کے لئے ہو۔ ظاہر ہے ایسے نیک مقصد کے لئے تکلیف اٹھانا یقیناً بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔ ذلک بانھم لایصیبھم ظما ولا نصب ولا مخمصہ فی سبیل اللہ ولا یطئون موطا یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلا الا کتب لھم بہ عمل صالح (سورہ توبہ پارہ ۱۱) مولانا مشتاق احمد چشتی)

☆ ایک مسلمان کے لئے دین کو بطور نظام نافذ کرانے کے لئے تن من دھن کے ساتھ

پوری طرح کوشش کرنی چاہئے۔ اور اس راہ میں اگر کوئی تکلیف پہنچے تو انسان صبر کرتا رہے۔ اگر خالص رضائے الٰہی کے لئے ہے تو اس راہ میں موت 'شہادت ہے۔ انشاءاللہ۔ (پروفیسر ساجد میر)

☆ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے تحریک اور ہر ایسی جدوجہد جو کہ شرعی حدود میں ہو' میں شریک ہونے والے مجاہدین اور ایسی جدوجہد میں مرجانے والے شہید ہوں گے۔ اور ایسی تحریک جس کی بنیاد "من رای منکم منکر فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان او کما قال" ہو' فرض ہے۔ (مفتی محمد رفیق الحسنی)

☆ نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کے سلسلے میں کام آنے والے مجاہدین 'شہیدین مقبولین بارگاہ ہیں۔ (مولانا منظور احمد)

☆ ☆ ☆

سوال (۵) : اگر کسی اسلامی ملک کا سربراہ اسلامی آئین نافذ نہیں کرتا تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ نیز اس سے تعاون یا اس کی مخالفت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

جواب :

☆ کسی نہ نافذ کرنے والے کے خلاف سعی کرنا ملت کی استطاعت اور بصیرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ مروجہ سیاسی جماعتوں کا طریق تعاون اور مخالفت قطعی اسلام کے خلاف ہے! خدا تعالیٰ سچی اور کامل بصیرت وہمت عطا فرمادے! (مولانا بشیر احمد چشتی)

☆ اگر کسی اسلامی ملک کا سربراہ اسلامی آئین نافذ نہیں کرتا تو نہ صرف یہ کہ وہ عنداللہ مجرم ہوگا بلکہ عندالخلق بھی اس سے جواب طلبی کی جائے گی۔ اور اس سے صرف اسی صورت میں تعاون کیا جائے گا جب کہ وہ اسلامی آئین کے نفاذ کے لئے کوئی مستحسن قدم اٹھانے پر تیار ہوجائے۔ ارشاد خداوندی ہے : "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" ------- (سورہ مائدہ پارہ ۶) (ترجمہ) "نیکی اور

تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو' اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں معاون نہ بنو۔"
(مولانا مشتاق احمد چشتی)

☆ اگر کسی ملک کا مسلمان سربراہ اسلامی نظام نافذ نہیں کرتا تو وہ ظالم' کافر اور فاسق ہے۔"ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ---فاولئک ھم الظالمون --- فاولئک ھم الفاسقون" اس کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنی چاہئے۔ (پروفیسر ساجد میر)

☆ ایسے سربراہ اور حاکم وقت کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ اس کے ساتھ تعاون علی الاطلاق تعاون علیہ السلام ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ بلکہ ایسی کوششیں ضروری ہیں جس نے وقت کا سربراہ اسلامی آئین نافذ کرنے پر مجبور ہو جائے۔ (مفتی محمد رفیق الحسنی)

☆ نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کی راہ میں حائل ہونے والی ہر چھوٹی بڑی رکاوٹ کا ہٹانا نہایت ہی ضروری ہے۔ وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ محمد و آلہ و اصحابہ وسلم! (مولانا منظور احمد)

☆ ☆ ☆

بقیہ : عرض احوال

بزرگ اس کام کی مذمت فرما رہے ہیں! بہرحال اللہ تعالیٰ نے محترم ڈاکٹر صاحب کو یہ ہمت عطا فرمائی کہ انہوں نے کسی تنقید اور ملامت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس اصلاحی کام کو جاری رکھا۔ اب حال ہی میں مولانا تھانویؒ کے افادات پر مشتمل ایک کتاب "اسلامی شادی" کے عنوان سے منظر عام پر آئی ہے۔ اسے پڑھ کر خوشی ہوئی کہ شادی بیاہ کی رسومات کے ضمن میں مولانا تھانویؒ کا نقطہ نظر بھی وہی تھا جس کا قول و عمل سے اعلان و اظہار محترم ڈاکٹر صاحب کر رہے ہیں۔ گویا "متفق گردید رائے بو علی با رائے من ما" قارئین کی دلچسپی کے خیال سے اس کتاب کے بعض اقتباسات زیر نظر کتاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔OO

ضرورت آفس اسٹاف

ایک کاروباری ادارے کو کراچی' لاہور' اسلام آباد اور دیگر شہروں کے لئے مستقل ملازمت کی بنیاد پر مستعد' تجربہ کار اور دیانتدار اسٹاف کی ضرورت ہے۔ اہل حضرات سے درجہ ذیل اسامیوں کے لئے مفصل درخواستیں مطلوب ہیں۔ رفقاء تنظیم اسلامی کو ترجیح دی جائے گی۔

تنخواہ اور دیگر مراعات حسب لیاقت

۱- سیلز مینیجر

۲- کمپیوٹر آپریٹر کم اکاؤنٹنٹ

۳- سیلز مین

ہاتھ سے لکھی ہوئی درخواستیں دستاویزات کی نقول کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ۲۰/ اگست ۹۴ء تک درجہ ذیل پتے پر ارسال کریں:

'ن۔ احمد' معرفت ادارہ تحریر' دفتر میثاق' ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور۔

خلافت ــ مقصدِ تخلیقِ آدم

مولانا مفتی محمودؒ

مولانا مفتی محمودؒ کے زیرِ نظر مضمون سے ہماری دلچسپی دو اعتبارات سے ہے۔ ایک یہ کہ خلافت کا عنوان ہی مسلمان کے لئے اتنا پرکشش ہے اور بالخصوص نظامِ خلافت کا قیام کچھ اس طور سے ملت کا درد رکھنے والے ہر پاکستانی مسلمان کی دلی آرزو بن چکا ہے کہ اس سے صرف نظر ممکن نہیں۔ اور دوسری اور اہم تر بات یہ کہ مولانا مرحوم نے اپنے مضمون دینی اور دنیوی علوم کے امتزاج کی ضرورت پر جس درجے زور دیا ہے اور خلافت کی اہلیت کو جس طرح اس معاملے کے ساتھ مشروط کیا ہے اس سے ہمارے اس موقف کی بھرپور تائید ہوتی ہے کہ علم کے میدان میں اگر دین و دنیا کی دوئی برقرار رہی تو احیائے اسلام کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ مفتی صاحب مرحوم کا زیرِ نظر مضمون دراصل ان کے اس تاریخی خطاب سے ماخوذ ہے جو انہوں نے جون ۷۴ء میں جمعیت طلباء اسلام کراچی کے ایک تربیتی اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا۔ یہ مضمون ہم ماہنامہ "النصیحہ" چارسدہ کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ..... وسلموا تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔ اما بعد فاعوذ باللّٰہِ من الشّیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم○ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○

جناب صدر اور میرے عزیز طالب علمو!

آپ کا یہ اجتماع جس میں مدارس دینیہ عربیہ کے طلباء اور کالجوں کے طلباء سب جمع ہیں، یہ یقیناً ایک مبارک اجتماع ہے۔ میں آپ کو اس اتحاد پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں، اور میری اس سمجھ کے لئے میرے پاس دلائل بھی ہیں، وہ یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر اپنی نیابت کے لئے، ملک کی سیاست کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ بنانے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلانے کے لئے پیدا فرمایا۔ حضرت آدم علیہ

السلام کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا امتحان لیتے ہوئے' جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے مشورہ کے محتاج نہیں تھے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے مشورہ لیا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا : "اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیفَۃً" کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ جو میرے حکم کو زمین میں نافذ کردے' ایسا ہی ایک نائب بنانے والا ہوں۔ حضرت انسان (حضرت آدم) کو خلیفہ کی حیثیت سے میں نے زمین میں رکھنا ہے۔ اس لئے اس کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ فرشتوں نے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیتے' بلکہ انہوں نے انسان کی خلافت کے مقابلے میں' حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے مقابلے میں' خود خلیفہ بننے کا شوق اور اس کی خواہش ظاہر کردی اور خود candidate بن گئے۔ اور ہمیشہ یہ قاعدہ ہے کہ آپ نے انتخاب میں دیکھا ہوگا کہ ایک منصب کے لئے' ایک عہدہ کے لئے' ایک ذمہ داری کے لئے جب دو candidates ہوتے ہیں تو ان میں مقابلہ ہوتا ہے۔ وہ امیدوار اپنے منتخب کرنے والوں کے سامنے دو باتیں کہتا ہے۔ آج بھی آپ دیکھیں' الیکشن میں یہی کچھ نظر آئے گا' وہ امیدوار ایک تو اپنا استحقاق' اپنی اہلیت اور اپنی صلاحیتوں کو دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ میں اس عہدہ کے لئے' اس منصب کے لئے زیادہ مستحق ہوں' مجھ میں اہلیت بہت زیادہ ہے اور مجھے ہی منتخب ہونا چاہئے۔ اور پھر وہ اپنے مخالف امیدوار پر اعتراض کرتا ہے اور مخالف امیدوار کی صلاحیت' اس کی نااہلیت' اس عہدہ کے لئے' اس منصب کے لئے' دلائل کے ساتھ منتخب کرنے والوں کے سامنے پیش کرتا ہے کہ اسے منتخب مت کرو' کیونکہ وہ اس منصب کا اہل نہیں ہے اور مجھے منتخب کرو کیونکہ میں ان دلائل کے ساتھ اس انتخاب کا اہل ہوں۔ فرشتوں نے بھی یہی کچھ کیا۔

فرشتوں نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد بنی آدم پر یہ اعتراض کیا کہ یہ خلافت کے مستحق نہیں ہیں اور عرض کیا : "اَتَجْعَلُ فِیهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ" کہ اے اللہ تعالیٰ' آپ زمین میں کیا اس کو خلیفہ بناتے ہیں جو زمین میں یقیناً فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا' خون بہائے گا۔ اور یقیناً جو حکمران امن قائم نہیں کر سکتا' جو فساد کراتا ہے اور خون بہاتا ہے' وہ حکمرانی کی اہلیت سلب

کر جاتا ہے۔ خلافت کا اہم مقصد قیامِ امن ہے، اور اسی لئے ہم ایک شخص کو جو ہماری طرح کا انسان ہوتا ہے، اپنا امیر تسلیم کر کے اس کی بات کو ماننا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے درمیان ظلم کو ختم کرتا ہے، فساد کو ختم کرتا ہے اور امن قائم کرتا ہے۔ اس لئے اس کا احترام ہم پر فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن جو حکمران خود فساد پھیلاتا ہے، (مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ) انسانوں کا خون بہاتا ہے وہ قطعاً حکومت کرنے کا مستحق نہیں ہے۔

پھر فرشتوں نے آگے اپنی بات، اپنی صلاحیت، اپنے اوصاف اور اپنا استحقاق اس طرح پیش کیا: "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ" یا اللہ ہم تو تیری تسبیح و تقدیس اور تحمید میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں۔ (لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ) جو اللہ تعالیٰ کے کسی امر کا عصیان (نافرمانی) نہیں کرتے اور جو حکم خدا کی طرف سے ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں، وہ مخلوق یقیناً خلافت کی اہل ہے۔ اپنا استحقاق اس طرح پیش کیا۔ بڑی اچھی کنوینسنگ کی کوشش کی۔ بڑے اچھے انداز میں انہوں نے انتخاب جیتنے کی کوشش کی۔ لیکن یہاں انتخاب کرنے والے تم نہیں تھے، تم تو نعروں کے پیچھے بھاگتے ہو، باتوں میں آجاتے ہو، لیکن یہاں انتخاب کرنے والی خدا کی پاک ذات تھی۔ خدائے تعالیٰ کی حکمتوں کو کون بہتر جان سکتا ہے "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا" اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا قول کے اعتبار سے کون ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سنی اور ان کے مشورے کو مسترد فرمایا اور فرمایا: "اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○" کہ میں جانتا ہوں کہ خلافت کا استحقاق کن صلاحیتوں سے ہوتا ہے۔ تم کیا جانتے ہو، میں جانتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مشورے کو قبول نہیں فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ارادے اور اپنی حکمت کے مطابق پیدا فرمایا اور پیدا فرمانے کے بعد فرشتوں کے سامنے لا کھڑا کر دیا اور مقابلہ کرایا، عملی مقابلہ۔

اب صلاحیت کا مقابلہ ہونا چاہئے۔ مقابلہ کس طرح کرایا گیا: "وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا"۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو انسان کی ضرورت کی چیزوں کا علم دیا اور سب کے نام بتائے۔ ضروریات کے مطابق کھانے پینے سے متعلق، زراعت کے متعلق، صنعت کے متعلق اور انسان کی حاجات کے متعلق تمام امور بتا دیئے۔

اور فرشتوں کو انسان کی ضروریات اور حاجات کا چونکہ علم نہیں تھا' فرشتوں کو اس سے کیا تعلق تھا کہ زراعت کیسے ہو؟ فرشتوں کو یہ کیا معلوم تھا کہ صنعت و حرفت کس طرح ہوتی ہے؟ فرشتے کھانے پکانے کیا جانتے تھے' کیونکہ وہ کھاتے نہیں۔ جن کی اپنی ضرورت نہیں وہ ان ضرورتوں کو کیا جانیں۔ مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: "اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ" "اگر تم سچے ہو' اگر تم زمین پر خلافت کرنے اور حکومت کرنے کے مستحق ہو تو آؤ ان چیزوں کے نام بتاؤ! اب وہ کیا نام بتاتے' وہ سمجھ گئے کہ ہم امتحان میں ناکام ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی نیک مخلوق تھی۔ انہیں تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت آتی تھی۔ انہیں علم تھا تسبیح و تقدیس و تحمید کا' اللہ تعالیٰ کی عبادت کا۔ انہیں یہ علم تھا۔ یہ مسائل وہ جانتے تھے' لیکن انسانی ضروریات کا انہیں علم نہیں تھا۔ وہ سمجھ گئے' تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ "قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○" ان سب نے کہا کہ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے' تو ہی بہتر جانتا ہے' اور ہمارے پاس تو ان باتوں کے سوا کوئی علم نہیں جو آپ نے بتائی ہیں۔ بس اتنا ہی علم ہے۔ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○

تو میرے محترم دوستو! آپ ہی بتائیں کہ کیا فرشتوں کو عبادت کا علم نہیں تھا؟ اگر عبادت کا علم نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید و تقدیس کس طرح کرتے تھے؟ وہ اللہ تعالیٰ کے کیسے مقرب بندے تھے؟ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے تھے' سب کچھ عبادات کے طریقے جانتے تھے۔ لیکن خلافت کے لئے معلوم ہوتا ہے کہ صرف عبادات کا علم کافی نہیں۔ جب تک انسان کی ضروریات کا علم اس کے پاس نہ ہو تو اس وقت تک وہ خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اگر تم انسان کی تکلیف کا ازالہ نہیں کر سکتے' اگر تم انسانوں کے زخموں کے لئے مرہم مہیا نہیں کر سکتے اور تم انسان کی خدمت نہیں کر سکتے تو کس طرح ان کے پیشوا اور ان کے حکمران بن سکتے ہو؟ کس طرح خلیفہ بن سکتے ہو؟

میرے محترم دوستو! ان آیات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خلافت کا استحقاق صرف نماز روزے اور حج کے مسائل جاننے سے نہیں ہوتا' بلکہ زمانے کی ضروریات کا علم بھی نبوت کا علم ہے۔ یہ علومِ نبوت ہیں۔ آپ سے میں پوچھتا ہوں کہ آپ یہ دیکھیں کہ بہت سے

پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے صنعت و حرفت کی تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں تعلیم دی۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کشتی تیار کروائی، تو کشتی سازی کی صنعت اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھائی اور فرمایا : "وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا" کہ کشتی بناؤ، ہماری نگرانی میں بناؤ اور ہمارے حکم سے بناؤ۔ نگرانی بھی اللہ تعالیٰ نے خود کی اس صنعت کی اور قرآن میں اسے صنعت فرمایا۔ "وَاصْنَعِ الْفُلْكَ" بناؤ کشتی "بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا" ہماری نگرانی میں، ہمارے حکم سے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک جلیل القدر پیغمبر ایک نبی مرسل کو کشتی سازی کی صنعت کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے خود دی تو کیا یہ علومِ نبوت ہیں یا نہیں؟ "وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ" بنا رہے تھے کشتی "وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ، قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ" تو اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کشتی سازی کا فن اللہ تعالیٰ نے خود سکھایا اپنے پیغمبر کو، یہ علوم نبوت میں سے ہے۔ اور آپ دیکھیں حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک صنعت سکھائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ" کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمہارے لباس بنانے کی صنعت کی تعلیم دی۔ "وَعَلَّمْنَاهُ" صنعت کو اپنی طرف منسوب کیا کہ ہم نے سکھائی اس کو۔ وہ زرہیں بناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اسباب خود مہیا فرما دیئے۔ لوہا ان کے ہاتھوں میں نرم ہو گیا۔ اور قرآن کریم میں ذکر ہے : "وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ" اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر کے فرماتے ہیں کہ ہم نے نرم کر دیا ان کے لئے لوہا۔ یہ زرہ سازی، لبوس کی صنعت جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے خود دی ہے، معلوم ہوا یہ علوم نبوت میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے بطورِ امتنان کے فرمایا : "وَاَلَنَّا" احسان ڈالا ان پر۔ اور بطور امتنان کے اللہ تعالیٰ کسی نعمت کا ذکر فرماتے ہیں تو وہ ایک مخصوص نعمت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو دیتے ہیں۔

آپ آگے جائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے سکھلایا "عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ" پرندوں کی بولی ان کو سمجھا دی۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ پرندوں کی بولی بھی قابلِ تعلیم ہے۔ آج شاید آپ پرندوں کی بولی نہیں سمجھتے، لیکن یہ بولی بھی تعلیم کے قابل ہے، یہ سمجھی جا سکتی ہے۔ شاید وقت آ جائے گا تو آپ بھی سمجھ جائیں گے۔

سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے باتیں کی تھیں یا نہیں؟ اور انہوں نے کہا: "مَالِیَ لَا اَرَی الْھُدْھُدَ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَائِبِیْنَ"۔ ہدہد کو حاضر کیا گیا تو ہدہد نے کیا کہا؟ کہا کہ مجھے ایسی باتوں کا علم ہے کہ تمہیں بھی علم نہیں۔ اور پھر اس کو قاصد بنا کر ملکہ سبا کے پاس بھیجا۔ کیوں بھیجا یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ پرندوں سے پیغام رسانی کا کام یہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بتادیا تھا جو آج حکومتیں کبوتروں کے ذریعے سے پیغام رسانی کا کام چلاتی ہیں۔

یہ آپ ذرا دیکھیں' حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر میں پہنچے تھے' جیل خانہ سے رہا ہوئے تو انہوں نے خواب کی تعبیر بتائی تھی' تو خود اپنے آپ کو پیش کیا اور کہا: "اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَائِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ" کہ مجھے زمین کے خزانوں کی نگرانی پر مقرر کردو' مجھے وزیر خزانہ بنادو' اس لئے کہ "اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ" یہ دلیل ہے کہ میں وزیر خزانہ بننے کا مستحق ہوں' اس کے قابل ہوں۔ اس لئے کہ مجھ میں نگرانی کی قوت ہے' امانت بھی ہے' دیانت بھی ہے اور نگرانی امانت اور دیانت سے ہوتی ہے۔ اور میں بتاؤں کہ خزانوں کی حفاظت علمِ حساب سے ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص ایک اور دو کو نہیں جوڑ سکتا' وہ علمِ حساب کا ماہر نہیں ہے تو وہ خزانوں کی نگہبانی نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم حساب میں مہارت عطا کی تھی اور علم حساب کی مہارت کے تحت وہ فرماتے ہیں: "اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ" میں اچھا نگہبان بھی ہوں اور میرے پاس علم بھی ہے۔ یہاں پر علم سے مراد صرف اعداد کا ہی علم نہیں ہے' کیونکہ وہ خزانہ کا وزیر بننے کے لئے اپنی اہلیت پیش کرتا ہے تو یہاں پر علم سے مراد عام علم ہوگا جس سے دیانت بھی آئے' تقویٰ بھی آئے' طہارت بھی آئے اور حساب کر کے خزانوں کی نگہبانی بھی کرے۔ عام علم مراد ہے۔

اور اس سے آگے چلیں۔ آیئے جناب نبی کریم ﷺ کے عہد میں آپ تشریف لائیں۔ یہاں تو آپ کو معلوم ہے کہ حضور ﷺ فوج کے سپہ سالار بھی تھے' فوجوں کی صف بندی کرتے کہ کس نے کہاں کھڑا ہونا ہے اور کس کی ڈیوٹی کہاں ہے' فوج کا پورا نقشہ تیار کرنا' یہ حضور ﷺ خود فرماتے تھے۔ "وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَھْلِکَ تُبَوِّیُٔ

الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ"۔ یہ سپہ سالاری کا علم اور قتال کے لئے صف بندی کرانا اور ہر ایک فوجی سپاہی اور مجاہد کی ڈیوٹی مقرر کرنا اور جنگ کا نقشہ بنانا' یہ فنِ حرب ہے۔ اور جو فن حرب کا ماہر نہ ہو تو جنگ کا نقشہ نہیں بنا سکتا۔ معلوم ہوا کہ یہ محاذِ حرب کی بات نہ تھی' بلکہ یہ فنونِ حرب کی مہارت کی بات تھی۔ اور آج کے جرنیل بھی' موجودہ وقت کے جرنیل' جب احد کی پہاڑی کے سامنے جاتے ہیں جہ کے موقعہ پر اور یہ جنگ کا نقشہ ان کے سامنے آتا ہے کہ حضور ﷺ نے پچاس آدمی کہاں کھڑے کئے تھے تو آج کا جرنیل اعتراف کرتا ہے کہ اس موجودہ وقت میں بھی فنون حرب کا بہت بڑا ماہر اس سے بہتر نقشہ نہیں بنا سکتا۔ یہ ساری چیزیں آپ کریں گے تو خلافت کے مستحق ہوں گے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر صرف عبادات کا علم' اگر صرف روزہ اور نماز کا علم' اگر صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب و تسبیح و تحمید و تقدیس کے علم سے خلافت کا نظام اس کا استحقاق ثابت ہو سکتا ہے' تو علماء و صلحاء و اتقیاء! میں تم سے کہتا ہوں کہ میں مان لیتا ہوں کہ تم فرشتے ہو' میں مان لیتا ہوں کہ تم خدا کے مقرب بندے ہو' میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ تم جنتی بھی ہو' متقی پرہیز گار اور نیک بھی بن جاؤ' مگر تم خلافت کے مستحق نہیں ہو گے۔ کیونکہ معیارِ خلافت اگر یہی ہوتا تو پھر فرشتے تم سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ وہ مستحق کیوں نہیں ہوئے' کیوں نہیں ہیں؟ اگر تمہارے اس علم سے خلافت کا استحقاق آپ کو مل سکتا تو پھر آپ سے زیادہ فرشتوں کو استحقاق ہوتا۔ ان کو کیوں مسترد کر دیا؟ اور آدم علیہ السلام کی پیدائش کی کیا ضرورت تھی اور "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا" کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی؟ اور میں آپ کو ایک اور طرف لے جاتا ہوں کہ تم اس لئے بھی مستحق نہیں ہو۔ یہ مدرسہ کے طلباء سے خصوصی خطاب کرتا ہوں کہ تم اس لئے مستحق نہیں کہ تم انسانی ضروریات کی کفالت نہیں کر سکتے۔

اور کالجوں کے طلباء! علوم عقلیہ کے ماہرین' سائنس کے ماہر' انجنیئر' ڈاکٹر اور پتہ نہیں کن کن علوم عقلیہ کے ماہر! میں اس لئے یہ کہتا ہوں کہ تم بھی خلافت کے مستحق نہیں' اس لئے کہ تم ذرا لفظ خلیفہ پر غور کرو' خلیفہ کا لفظ جس کے معنی نائب کے ہیں۔ خلیفہ خود حکمران نہیں ہوتا۔ خلیفہ حاکمِ اعلیٰ حقیقی حاکم کا نائب بن کر وہاں سے حکم لیتا ہے اور یہاں پر

نافذ کرتا ہے تو خلیفہ بنتا ہے۔ اور تم اگر خدا سے جڑے ہوئے نہیں ہو، تمہارا خدا سے تعلق ہی نہیں، تم وہاں سے احکام اخذ کرنے کی صلاحیت اور اہلیت سلب کر چکے ہو، تمہارا خدا سے رشتہ ہی نہیں، تم عبادات کے کورے ہو، تم نماز ادا نہیں کرتے، تمہارے دل میں خدا نہیں ہے، اگر تم ادھر سے لیتے نہیں، تو خلیفہ کیسے بنو گے؟ خلیفہ تو وہ ہوتا ہے جو نائب ہے اور نائب کے لئے یہ شرط ہے کہ اپنے منابع سے، اپنے اصلی حاکم سے جڑا ہوا ہو، جڑا رہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج کالجوں میں جو نصابِ تعلیم رائج ہے، یونیورسٹی میں جو پڑھایا جاتا ہے، وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اس نظام تعلیم سے جو لوگ فارغ ہوتے ہیں ان میں سے کچھ خود کو خدا سمجھتے ہیں۔ جو خدا کے وجود کا منکر ہو، نعوذ باللہ، وہ خدا کو حاکم کیسے مانے گا، خود کو خلیفہ کیسے مانے گا۔ کوئی نبوت کا اور ختمِ نبوت کا منکر، کوئی حدیث کا منکر، جبکہ حدیثِ رسول ﷺ وحیِ الٰہی ہے۔ وہ جو وحی کو نہیں مانتے تو وحی الٰہی کو نافذ کرنے کی اہلیت کیسے رکھتے ہوں گے؟ آج یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک شخص خواہ وہ کتنا بڑا سائنس دان کیوں نہ ہو، بہت بڑا انجینئر کیوں نہ ہو، بہت بڑا ڈاکٹر کیوں نہ ہو، بہت بڑا ریاضی دان کیوں نہ ہو اور فنون کا بہت بڑا ماہر کیوں نہ ہو، یہاں تک کہ کمانڈر انچیف ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ خدا سے جڑا ہوا نہیں ہے، تو وہ حکومت تو کرے گا، اپنی حکومت کر سکتا ہے، لیکن وہ خلیفہ کبھی بھی نہیں بن سکتا۔ خلیفہ کے لئے شرط ہے وہ نیابت کرے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" اور "وَهُوَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ" اس کے حکم کو لے کر نافذ کرے۔ ایک ایک بات کا لحاظ رکھے۔ خدا کا مقرب بندہ ہے تو پھر بات بنتی ہے۔

میرے محترم دوستو! قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ جب فوت ہوئے اور جنازہ پڑھنے کا وقت آیا تو اس وقت دہلی میں بہت مخلوق جمع تھی۔ وہ بہت بڑے بزرگ تھے۔ اس لئے جنازہ میں بہت مخلوق آئی ہوئی تھی۔ اب جنازہ کون پڑھائے، کیونکہ ان کے خلیفہ صوفی نے اعلان کیا کہ جنازہ ان کی وصیت کے مطابق وہ شخص پڑھائے گا جس میں تین باتیں ہوں۔ ایک تو یہ کہ اس کی تہجد کی نماز کبھی قضاء نہ ہوئی ہو، دوسری بات یہ ہے کہ اس کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت نہ ہوئی ہو اور تیسری شرط یہ کہ اس کی نظر کبھی غیر محرم عورت پر نہ پڑی ہو۔ یہ تین شرطیں ان کی وصیت ہیں۔ جنازہ وہی پڑھائے گا جو ان تین شرطوں کو پورا

کرے۔ اب کون آگے آسکتا ہے۔ بڑا مشکل تھا۔ اب کون آگے آئے؟ آخر مجبور ہو کر ایک شخص آگے بڑھا جنازے کی طرف' اور وہ کون تھا؟ سلطان شمس الدین التمش حکمرانِ وقت۔ اور انہوں نے کہا کہ مجھے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی شکایت ہے کہ انہوں نے میرا پردہ فاش کر دیا۔ تو ایسا حکمران جو خدا سے جڑا ہوا ہو وہ خلیفہ بن سکتا ہے۔ اور یہ باقی ایرے غیرے جو آج خلیفۃ المسلمین بنے ہوئے ہیں' جن کا خدا سے دور کا تعلق نہیں ہے' یہ لوگ کیسے خلیفہ بن سکتے ہیں۔ اس لئے فرنگی ظالم نے اپنے دور میں نصابِ تعلیم کو ایسا تقسیم کر دیا کہ ادھر مدارس عربیہ دینیہ ہیں' لیکن یہ حکومت نہیں کر سکتے۔ اور ادھر کالجوں کے تعلیم یافتہ جو حکومت تو ایک حد تک کر سکتے ہیں' لیکن خلیفہ نہیں بن سکتے۔ بات تو خلافت کی ہے' جہاں خدا کی حکومت ہو' اس کے وہ اہل نہیں۔ اس لئے انگریز کامیاب رہا اور پاکستان میں' نعرے لگانے کے باوجود کہ پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ' آج تک اسلام نافذ نہیں ہو سکا۔ اور اس لئے نہیں ہوا کہ تمہارے پاس رجالِ کار نہیں' تمہارے پاس ایسے آدمی نہیں۔ اِدھر بھی دیکھو' اُدھر بھی دیکھو' جو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن کر یہاں حکومت کرے۔ رجالِ کار نہیں' قحطِ رجال ہے تو کیسے خلافت قائم ہو گی۔ بتاؤ؟ جبھی تو خلافت قائم نہیں ہوتی۔ تم ہزار نعرے لگاتے جاؤ' کبھی نہیں ہو گی' جب تک اس کے لئے آدمی تلاش نہیں کرو گے' رجالِ کار نہیں بناؤ گے۔

فرشتوں نے خود کہا۔ فرشتے جھوٹ تو نہیں بولتے کیونکہ وہ معصوم ہیں' خدا کے بندے' انہوں نے کہا تھا' کیا کہا تھا: "اَتَجْعَلُ فِیھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ" فرشتوں کی بات ٹھیک تھی' غلط نہیں تھی۔ انہوں نے ہمارے حکمرانوں کے بارے میں بات کی تھی۔ ان کی نظر خلافت پر تھی۔ لفظ خلیفہ پر انہوں نے غور بھی کیا تھا۔ بات فرشتوں کی ٹھیک تھی۔ یہ جو حضرت انسان ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں' ایک تو یہ کہ وہ حکمران بنے' اپنی من مانی کر کے حکومت اپنے ذہن کے مطابق چلائے۔ جب وہ خود حکمران بنتا ہے اور خلیفہ نہیں ہوتا۔ تو پھر فرشتوں کی بات ٹھیک ہے: "اَتَجْعَلُ فِیھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَاءَ"۔ جو انسان خود حکمران بنتا ہے' خدا کے احکام کو نافذ نہیں کرتا' وہ فساد ہی کرے گا' خون ریزیاں ہی کرے گا۔ آپ دیکھیں'

آج امریکہ کو دیکھو' روس کو دیکھو' ایٹم بم بنا رہے ہیں' ہائیڈروجن بم بنا رہے ہیں' ایک بم سے لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتر سکتے ہیں۔ انسان کی ہلاکت کے اسباب اور سامان ان کی حکومتوں نے جائز قرار دیئے ہیں۔ لیکن امن کے قیام کے لئے کوئی بہت بڑا افلاسفر بھی ہو' بہت بڑا حکمران بھی' وہ امن کے قیام کے لئے انتظام نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرشتوں کی بات ٹھیک ہے۔ فرشتوں نے بات کی کہ انسان کی حکمرانی ایسی ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ بنایا تھا۔ تو فرشتوں کی بات نہیں مانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری حیثیت سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ انسان جب میرا بندہ ہوتا ہے' میرے ساتھ جڑا ہوتا ہے' تو فساد نہیں کرے گا۔ اس لئے فرشتوں کی بات ایک حیثیت سے درست تو تھی' دوسری حیثیت میں صحیح نہیں تھی۔

میرے محترم بھائیو! میں سمجھتا ہوں کہ میں نے آپ کو یہ بات تو سمجھا دی کہ خلافت کیوں نہیں آتی' اس کی وجہ کیا ہے۔ اور کب آئے گی' جب تم اس کے لئے رجالِ کار پیدا کرلو گے۔ اب آج جو یہ اجتماع میرے سامنے ہے' یہاں پر کالجوں کے طلباء بھی ہیں اور مدارس عربیہ کے طلباء بھی' جن کا یہ میل جول' ان کا یہ اجتماع' ان کا یہ اتحاد' میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید خلافت کے لئے یہاں سے رجال کار پیدا ہو جائیں۔ دونوں کو اکٹھا کرلو۔ اب جب کالجوں کے طلباء تمہارے پاس آجائیں تو وہ خدا سے جڑ جائیں گے اور جب تم ان کے پاس چلے جاؤ گے تو تم انسان کی ضروریات کو سمجھ لو گے اور اس کے بعد یہیں سے اسلام کے لئے اور خلافت کے لئے رجالِ کار پیدا ہو سکیں گے۔ یہ سیدھی بات ہے۔ میں کالج کے طلباء کو کہتا ہوں کہ وہ مسجد کی طرف آجائیں اور ان عربی مدارس کے طلباء سے کہتا ہوں کہ تم ذرا باہر بازاروں میں آجاؤ۔ لوگوں کی ضروریات تو دیکھو۔ جب تم کچھ اِدھر آجاؤ گے' یہ کچھ اُدھر چلے جائیں گے' ان کی کمی وہاں مسجد میں پوری ہوگی اور تمہاری کمی کارخانوں میں' بازاروں میں' کھیتوں میں پوری ہو جائے گی۔ ادھر بھی دیکھو' ورنہ مخلوقِ خدا کی خدمت کیسے کرو گے؟ مخلوق خدا کی خدمت نہیں کرو گے تو خلافت نہیں ملے گی۔ بات تو یہ ہے کہ تم فرشتوں سے زیادہ افضل تو نہیں ہو۔ تمہیں کیسے خلافت مل سکتی ہے۔ تم دیکھو'

(باقی صفحہ ۶۵ پر ملاحظہ فرمائیے)

بیاہ شادی کی رسوم اور ان کی شرعی حیثیت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

یہ مضمون حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے افادات پر مشتمل کتاب "اسلامی شادی" سے ماخوذ ہے۔ اصلاح الرسوم کے ضمن میں مولانا تھانویؒ کی خدمات کا اعتراف ہر حلقے نے کیا ہے اور یہ کتاب اس امر کا بیّن ثبوت فراہم کرتی ہے۔ لگ بھگ چار صد صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مرتب مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی ہیں اور اسے کتب خانہ جمیلی دارالعلوم اسلامیہ' کامران بلاک' علامہ اقبال ٹاؤن لاہور نے شائع کیا ہے۔ مارکیٹ میں یہ کتاب سو روپے میں دستیاب ہے۔ (ادارہ)

شادی اور بارات

بارات ہندوؤں کی ایجاد اور ان کی رسم ہے

اصل میں یہ بارات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا' اکثر راہزنوں اور قزاقوں (ڈاکوؤں) سے دوچار ہونا پڑتا تھا' اس لئے دولہا' دلہن اور اسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور حفاظت کی مصلحت سے بارات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی اور اسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آئے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو۔ اور اب تو امن کا زمانہ ہے' اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے۔ اب حفاظت وغیرہ تو کچھ مقصود نہیں' صرف رسم کا پورا کرنا اور نام آوری مدِ نظر ہوتی ہے۔

بارات کی قطعاً ضرورت نہیں

صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے، اسی لئے میں نے منگنی کا نام "قیامتِ صغریٰ" اور شادی (بارات) کا نام "قیامتِ کبریٰ" رکھا ہے۔

اب تو بارات بھی شادی کا رکنِ اعظم سمجھا جاتا ہے (اور اس کے بغیر شادی ہی نہیں ہوتی) اس کے لئے کبھی دولہا والے اور کبھی دولہن والے بڑے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں اور اس سے غرض ناموری (شہرت) اور تفاخر ہے۔

حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیا اور رشتہ طے کرنے کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے لیکن نکاح کے وقت تو حضرت علیؓ خود بھی موجود نہ تھے، بلکہ معلق نکاح ہوا تھا کہ اگر علی رضامندی ظاہر کریں۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا رَضِیتُ۔ اب نکاح تام ہوا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اس قصہ کو سن کر دولہا بھاگ جایا کرے، شاید بعض لوگ ایسی سمجھ کے بھی ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ بارات وغیرہ کے تکلف کی ضرورت نہیں۔ حضور ﷺ نے تو خود نوشہ کے ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ پھر بارات کا ہونا کیوں ضروری سمجھا جائے؟

بارات نااتفاقی اور ذلت کا سبب ہے

اس بارات کے لئے کبھی دولہا والے کبھی دلہن والے بڑے بڑے اصرار و تکرار کرتے ہیں اور اس سے مقصود صرف ناموری اور تفاخر ہے۔ اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور جا پہنچے سو۔ بلا بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دعوت میں بلا بلائے جائے وہ گیا تو چور ہو کر اور نکلا لٹیرا ہو کر۔ یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کا۔ پھر دوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے۔ کسی کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا۔

پھر ان امور کی وجہ سے اکثر جانبین میں ایسی ضد اضدی اور بے لطفی (و کدورت بلکہ بسا اوقات رنجش) ہوتی ہے کہ عمر بھر قلوب میں اس کا اثر باقی رہتا ہے۔ چونکہ نااتفاقی حرام ہے اس لئے اس کے اسباب بھی حرام ہوں گے، اس لئے یہ فضول رسم ہرگز ہرگز

جائز نہیں۔

اب تو ان رسموں کی بدولت بجائے محبت والفت کے' جو کہ میل ملاپ سے اصلی مقصود ہے' اکثر رنج و تکرار اور شکایت (کی نوبت آجاتی ہے) پرانے کینوں کا تازہ کرنا اور صاحب تقریب کی عیب جوئی اور تذلیل کے درپے ہونا اور اس طرح کی دوسری خرابیاں دیکھی جاتی ہیں۔ اور چونکہ ایسا لینا دینا' کھانا کھلانا عرفاً لازم ہو گیا ہے اس لئے کچھ فرحت و مسرت بھی نہیں ہوتی' نہ دینے والے کو کہ وہ ایک بے گار سی اتارتا ہے' نہ لینے والے کو کہ وہ اپنا حق ضروری یا معاوضہ سمجھتا ہے۔ پھر لطف (و محبت) کہاں؟ اس لئے ان تمام خرافات کا حذف کرنا واجب ہے۔

میں بارات کی رسم کو حرام سمجھتا ہوں

یہ خرابیاں ہیں بارات میں جن کی وجہ سے بارات کو منع کیا جاتا ہے۔ اور میں جو پہلے باراتوں میں جایا کرتا تھا اس وقت تک میری سمجھ میں خرابیاں نہ آئی تھیں۔ اب میں (ان) رسموں کو بالکل حرام سمجھتا ہوں۔ اور اگر تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو "اصلاح الرسوم" (دوسرے باب کی چھٹی فصل اور امداد الفتاویٰ جلد پنجم ص ۲۷۹) دیکھ لو' اس میں میں نے تفصیلی دلائل لکھ دیئے ہیں۔ خدا نے میرے قلم سے بعض باتوں کی خرابیاں ظاہر کرادیں جو دوسروں نے ظاہر نہیں کیں' اسی لئے لوگ مجھے سخت مشہور کرنے لگے۔

بیاہ شادی' بارات میں اگر آمد و رفت نہ ہو.....

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ رسوم (بارات) وغیرہ موقوف ہو جائیں تو پھر میل ملاپ کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو میل ملاپ کی مصلحت سے معاصی (گناہوں) کا ارتکاب کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ میل ملاپ اس پر موقوف بھی نہیں۔ بلا رسوم کی پابندی (اور بارات) کے اگر ایک دوسرے کے گھر جائیں یا اس کو بلائیں' اس کو کھلائیں پلائیں کچھ امداد و سلوک کریں' جیسے یار دوستوں میں راہ و رسم جاری ہیں تو یہ ممکن ہے۔

بارات اور جہیز وغیرہ کے ناجائز ہونے کی شرعی دلیل

میرے نزدیک جو مجموعی ہیئت اس وقت تقریبات کی ہو رہی ہے اس کے ہر جزء کی قریب قریب اصلاح ضروری ہے --- تمام رسوم میں بجز اتلافِ مال (مال کو برباد کرنے) وارتکابِ معاصی کے مثلاً ریا، تفاخر، اسراف اور دوسروں کے لئے موجب تکلیف ہو جانا اور مقتدائے معاصی بن جانا، کوئی دنیا کا بھی معتد بہ (لائق اعتبار) نفع نہیں، اس لئے میرے نزدیک ان کی قباحت بڑھی ہوئی ہے۔ میرے خیالات کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ ہیئتِ متعارفہ (مروجہ طریقہ) کے تمام اجزاء بدلنے کی ضرورت ہے، گو اکثر اجزاء اگر فرادیٰ (علیحدہ) نظر سے دیکھے جائیں تو مباح نکلیں گے۔

مگر یہ قاعدہ شرعی بھی ہے اور عقلی بھی کہ جو مباح معصیت کا ذریعہ اور معینِ جرم بن جائے وہ بھی معصیت اور جرم ہو جاتا ہے۔ ان تقریبات کی بدولت کیا مسلمان مقروض نہیں بن جاتے؟ کیا مہاجنوں کو سود نہیں دیتے؟ کیا ان کی جائیداد و مکان نیلام نہیں ہوتے؟ کیا اہلِ تقریب کی نیت میں اظہارِ تفاخر و نمائش نہیں ہوتا؟ اگر عام مجمع میں اظہار نہ ہو تو کیا خاص مجمع کے خیال سے (کہ گھر پہنچ کر سب زیور و اسباب دیکھا جائے گا، اس کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا) سامان نہیں کیا جاتا؟ پھر ان رسوم میں تسلسل و ترتب کچھ اس قسم کا ہے کہ ایک کو کر کے پھر سب ہی کو آہستہ آہستہ کرنا پڑتا ہے، کیا ان قیود و پابندیوں کو قیودِ شرعیہ سے زیادہ ضروری عملاً نہیں سمجھا جاتا؟ نماز باجماعت فوت ہونے سے کیا کبھی ایسی شرمندگی ہوئی ہے جیسی جہیز میں چوکی پلنگ کے نہ دینے سے ہوتی ہے؟ گو اس کی ضرورت نہ ہو۔ جہیز ضروری سامان کا لحاظ (کرنے میں) شرعاً و عقلاً مضائقہ نہ تھا مگر بہت یقینی امر ہے کہ ضروریات کی فہرست ہر جگہ جدا بنے گی۔ لیکن جہیز کی ایک ہی فہرست ہر جگہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رواج کی پابندی اس کی علت ہے، ضرورت پر اس کی بنیاد نہیں۔ تو اس درجہ کی پابندی نہ عقلاً جائز نہ شرعاً درست۔ پس جب ان میں اس قدر مفاسد ہیں تو عقل یا نقل (شریعت) کب اس کی اجازت دے سکتی ہے۔

صاحبِ حیثیت مالدار کیلئے بھی بارات وغیرہ کی رسمیں درست نہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب جس کو گنجائش ہو وہ کرے' جس کو نہ ہو وہ نہ کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو گنجائش والوں کو بھی گناہ کرنا جائز نہیں۔ جب ان رسوم کا معصیت ہونا ثابت ہو گیا پھر گنجائش سے اجازت کب ہو سکتی ہے؟ دوسرے یہ کہ جب گنجائش والے کریں تو ان کی برادری کے غریب آدمی بھی اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ضرور کریں گے۔ اس لئے ضروری امر اور مقتضاء یہی ہے کہ سب ہی ترک کردیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ کسی کو اگر گنجائش ہو تو دنیوی مذکورہ مضرتوں سے بھی محفوظ رہے اور نیت کی درستی اختیار امر ہے' ہم نہ امور کو ضروری سمجھتے ہیں نہ تفاخر اور نمائش کا ہم کو خیال ہے' پس ایسے شخص کے لئے تو یہ سب امور جائز ہونے چاہئیں

سو اول تو ذرا اس کا تسلیم کرنا مشکل ہے' تجربہ اس کو تسلیم نہ کرنے دے گا۔ کیسا ہی گنجائش والا ہو کچھ نہ کچھ گرانی اس پر ضروری ہوگی اور نیت میں بھی فساد ضرور ہوتا ہے' لیکن اگر اس میں منازعت و مزاحمت نہ کی جائے تو سو میں ایک دو شخص ایسے مشکل سے نکل سکتے ہیں ----- جب یہ حالت ہے تو یہ قاعدہ سننے کے قابل ہے کہ کسی شخص کے مباح فعل سے جو حد ضرورت سے ادھر نہ ہو (یعنی واجب نہ ہو) دوسرے شخص کو ضرر پہنچنے کا غالب گمان یا یقین ہو تو وہ فعل اس کے حق میں بھی مباح نہیں رہتا۔ تو اس قاعدہ سے یہ اعمال وافعال اس محفوظ شخص کے حق میں بھی' اس وجہ سے کہ دوسرے لوگ تقلید کر کے خراب ہوں گے' ناجائز ہو جائیں گے۔

قومی ہمدردی کا تقاضا

اس شرعی قاعدہ کا حاصل وہ ہے جس کو عقلی قانون میں قومی ہمدردی کہتے ہیں' یعنی ہمدردی کا مقتضاء یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو دوسروں کو نقصان تو نہ پہنچائے۔ کیا کوئی باپ جس کے بچہ کو حلوا نقصان کرتا ہے اس کے سامنے بیٹھ کر حلوا کھانا محض مزے کے لئے پسند کرے گا؟ کیا اس کو خیال نہ ہوگا کہ میری

حرص سے شاید بچہ بھی کھائے اور بیماری بڑھ جائے؟ کیا ہر مسلمان کی ہمدردی اسی طرح ضروری نہیں؟ اس سے عقلاً و نقلاً سمجھ میں آگیا ہو گا کہ کسی کے لئے بھی ان رسوم کی اجازت نہیں۔

چونکہ ان خرابیوں کی برائی بدیہی ہے اس لئے زیادہ دلائل قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ پس مسلمانوں کو فرض و واجب اور ایمان و عقل کا تقضاء یہ ہے کہ ان خرابیوں کی برائی جب عقلاً و نقلاً ثابت ہو گئی تو ہمت کر کے سب کو خیرباد کہے اور نام و بدنامی پر نظر نہ کرے' بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عزت و نیک نامی ہوتی ہے۔

بارات مجمع معصیت ہے

جو رسوم شریعت کے خلاف اکثر شادیوں میں ہوا کرتے ہیں ان ہی سے وہ مجمع معصیت کا مجمع ہو جاتا ہے' وہاں نہ بیٹھے۔ اور رسوم تو الگ ہیں' آج کل خود بارات ہی مجمع معصیت ہے۔ اگر کوئی خرابی نہ ہو تو یہ خرابی تو ضرور ہی براتوں میں ہوتی ہے کہ (عموماً) براتی مقدارِ دعوت سے زائد جاتے ہیں' جس کی وجہ سے بے چارے میزبان کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے' کہیں قرض لیتا ہے' کہیں اور کچھ فکر کرتا ہے۔ غرض بہت خرابی ہوتی ہے۔

شادی میں لڑکی والوں کے یہاں مجمع

فرمایا کہ بھائی منشی اکبر علی صاحب کی ایک لڑکی کی شادی میں میں اس لئے شریک نہیں ہوا تھا کہ ان کے گھر والوں نے مجمع کا اہتمام کیا تھا۔ انہوں نے پھر مجھ سے کہا کہ ہم مجمع نہ کریں گے' میں نے کہا اس میں تمہاری اہانت ہو گی اور ان کی دل شکنی ہو گی' کیونکہ پہلے ان کو مہمان بنالیا گیا ہے۔ انہوں نے غایت خوش فہمی سے میری عدم شرکت منظور کرلی اور کہا کہ تم صاحب منصب ہو' تمہارے متعلق دین کا کام ہے' میں دین میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا۔

بیاہ شادی میں شرکت سے بچنا ہی بہتر ہے

تقریبات (شادیوں) میں اگر اور کوئی رسم نہ بھی ہو تب بھی یہ تو ضرور ہے کہ جس کا کھاؤ گے اس کو کھلانا بھی پڑے گا اور یہی جڑ ہے تمام رسموں کی' اس لئے اس کا ٹال دینا بہتر ہے' جہاں تک ہو سکے ٹال ہی دو۔ مگر دل شکنی کسی کی مناسب نہیں' لطافت سے کوئی حیلہ کر دینا چاہئے ---- اور کسی عزیز کے ساتھ احسان کرنا ہو اور رسم کی صورت سے نہ ہو تو اس کا مضائقہ نہیں' لیکن اس کے لئے خود جانے کی کیا ضرورت ہے' یہاں سے بھی تو بھیج سکتے ہو (بعد میں بھی دے سکتے ہو)

شرعی دلیل

ایک حدیث میں شرکت کرنے والوں کے لئے بھی صاف ممانعت وارد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دو شخصوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو باہم فخر کے لئے کھانا کھلاتے ہوں اور ظاہر ہے کہ ممانعت کی علت فخر اور ریا کے سوا کچھ نہیں۔ تو ایسی تقریبات (شادیوں) کی شرکت اس سے صراحتاً ممنوع ہو گئی جن میں دعوت وغیرہ سے فخر و ریا کا قصد ہو۔

مقتدا اور علماءِ دین رسوم و رواج والی شادی میں شرکت نہ کریں

فرمایا میری علاتی ہمشیرہ کی جو شادی ہوئی تھی اس میں سب مروجہ رسوم ہوئی تھیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اس کی والدہ کو عورتوں نے بہکایا اور یہ کہا کہ تمہاری ایک ہی تو بچی ہے' دل کھول کر شادی کرنی چاہئے۔ اگر یہ اندیشہ ہے کہ وہ یعنی میں شادی میں شرکت نہ کروں گا تو نکاح میں تو شرکت ہو ہی جائے گی اور جن رسموں کو برا کہیں گے اس میں شرکت نہ کریں گے۔ نکاح تو سنت ہے' اس میں تو ضرور ہی شریک ہوں گے۔ والدہ بیچاری بہکائے میں آگئیں۔ برات آنے کا دن جمعہ کا دن تھا۔ میں نے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اور باہر ہی باہر بہلی (گاڑی) میں بیٹھ کر جھنجھانی پہونچ گیا' یہاں پر کسی سے ذکر نہیں کیا' حتیٰ کہ گھر والوں تک کو بھی خبر نہ کی' جب مغرب کا بعد ہوا تب نکاح پڑھانے کے لئے تلاش ہوئی' میں

نہ ملا' صبح کو وہیں پر رہا۔ صبح دیر کر کے چلا۔ اس خیال سے کہ ایک برائی کی بھی صورت نہ دیکھوں۔ پھر تو میری شرکت نہ کرنے کی وجہ سے سارے خاندان نے توبہ کی اور کہا کہ بڑی واہیات (حرکت) ہوئی۔ اب کبھی ایسا نہ کریں گے۔ جب سے اللہ کا فضل ہے خاندان میں کبھی کوئی رسم نہیں ہوئی۔

رسوم ورواج — شریعت کی نگاہ میں

رسم ورواج کی تعریف

رسم صرف اس بات کو نہیں کہتے جو نکاح اور تقریبات میں کی جاتی ہیں' بلکہ ہر غیر لازم چیز کو لازم کر لینے کا نام رسم ہے' خواہ تقریبات میں ہو یا روزمرہ کے معمولات میں۔

رسم وغیر رسم کا معیار

جب نہ رسم کی نیت ہو اور نہ رسم والوں کے طریقہ پر کریں تو وہ رسم نہیں' نہ حقیقتاً نہ صورتاً۔ یہی معیار فرق ہے۔

رسموں کی دو قسمیں

رسمیں دو قسم کی ہیں' ایک تو شرک و بدعت کی رسمیں' مثلاً چٹائی پر بہو کا بٹھانا' اس کی گود میں بچہ دینا کہ اس سے شگون (نیک فالی) لیتے ہیں کہ اولاد ہو۔ تو ایسے ٹونے ٹوٹکے تو اکثر جگہ چھوٹ گئے۔

دوسری تفاخر اور ناموری کی رسمیں۔ یہ دوسری قسم متروک نہیں ہوئی بلکہ مالداری کے سبب سے بہ نسبت پہلے کے کچھ بڑھ گئی ہے۔ پہلے زمانہ میں اتنا تفاخر اور ریا و نمود نہ تھا' کیونکہ کچھ سامان کم تھا کچھ طبیعتوں میں سادگی تھی' اب تو کھانے میں الگ تفاخر ہو گیا۔ وہ پہلی سی سادگی ہی نہیں رہی۔ پلاؤ بھی ہو' کباب بھی ہو' فیرنی' بریانی ہو۔

مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس زمانہ میں پہلے کی سی رسمیں بہت کم

ہو گئیں۔ میں نے کہا ہرگز نہیں' بات یہ کہ رسمیں دو قسم کی ہیں' ایک وہ جو شرک تک پہنچی ہیں وہ البتہ چھوٹ گئیں۔ ایک وہ ہیں جن کی اصل تفاخر ہے' یہ پہلے سے بھی بڑھ گئیں' البتہ پہلے شرک کی عجیب عجیب رسمیں تھیں۔

پہلے کی رسموں اور آج کل کی رسموں میں فرق

میں کہتا ہوں کہ (پہلے کی) رسمیں بالکل لغو تھیں' مگر یہ ضرور تھا کہ بہت سے سمجھدار کرنے والے بھی ان کو لغو سمجھتے تھے' اگرچہ کرتے سب تھے۔ اور آج کل کی جو رسمیں ہیں ان کو دانش مند لوگ بھی یہ نہیں سمجھتے کہ یہ گناہ ہے اور وہ رسمیں آج کل کی تفاخر اور تکلف کی ہیں۔ پہلے لوگ موٹا چھوٹا پہن لیتے تھے' باسی تازہ کھا لیتے تھے اور آج کل کوئی ادنیٰ آدمی بھی غریبانہ معیشت کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عیب سمجھتے ہیں' بول چال میں اور اٹھنے بیٹھنے میں سب میں تکبر اور تکلف بھرا ہوا ہے' گویا ہر وقت کسی نہ کسی رسم کے پابند ہیں۔

اور تکلف میں گناہ کے علاوہ ایک دنیوی خرابی یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بناوٹ کرنے والے کی بات پر اعتماد نہیں کرتا' اس خوف سے کہ شاید یہ بات بھی بناوٹی ہو۔ اسی واسطے پہلے لوگوں کی بات بڑی پکی ہوتی تھی۔ آج کل کے لوگوں کی بات ایسی نہیں پائی جاتی۔

غرض شرک کی رسمیں تو چھوٹ گئیں کیونکہ علم کا شیوع ہو گیا' پہلے مولوی کم ہوتے تھے' اور تفاخر کی رسمیں بڑھ گئیں کیونکہ تعلیم جدید کی ترقی ہے۔ آج کل کی رسموں میں شرک نہ سہی تفاخر ضرور ہے' یہ بھی منع ہونے کے لئے کیا کچھ کم ہے۔

رسوم و رواج بھی گناہ میں داخل ہیں

بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ جن کی طرف آج کل خیال بھی نہیں جاتا بلکہ چھوڑنے سے جی برا ہوتا ہے۔ اور یوں تو گناہ سب ہی برے ہیں لیکن ایسے گناہ زیادہ خطرناک ہیں جو عموماً عادت اور رواج میں داخل ہو گئے ہوں کیونکہ طبیعتیں ان سے مانوس ہو گئی ہیں' حتیٰ کہ ان کی برائی ذہن سے دور ہو گئی ہے' ان کے چھوٹنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ آدمی چھوڑتا ہے

اس چیز کو جس کی برائی خیال میں ہو اور جس چیز کی برائی ذہن سے نکل جاتی ہے پھر اس کو کیوں چھوڑنے لگا۔

یہ وہ حالت ہے جس کو موتِ قلب کہتے ہیں' اس کے بعد توبہ کی بھی کیا امید ہے' کیونکہ توبہ کی حقیقت ہے ندامت یعنی پشیمانی اور پشیمانی اس کام سے ہوا کرتی جس کی برائی ذہن میں ہو اور جب گناہ دل میں ایسا رچ گیا کہ اس پر فخر کرتے ہیں تو پھر پشیمانی کہاں۔

ان رسوم نے ایسا رواج پایا ہے جیسے سالن میں ہلدی' مصالحہ' نمک کہ ان کے بغیر سالن بنتا ہی نہیں' حتیٰ کہ جو لوگ مرچ زیادہ کھاتے ہیں ان سے کوئی ماہر طبیب بھی کہے کہ مرچ میں یہ نقصان ہے تو کبھی انکا دل قبول نہ کرے گا اور یہی جواب دیں گے کہ میاں طب کو رہنے دو' تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے' ساری عمر کھاتے ہو گئی کوئی بھی نقصان نہیں ہوا اور بے مرچ کے لطف ہی کیا۔

اسی طرح مسلمان غیر قوموں کی صحبت سے رسموں کے ایسے خوگر ہو گئے ہیں کہ بلا ان کے کسی تقریب (شادی) میں لطف ہی نہیں آتا' چاہے گھر ویران ہی ہو جائے' لیکن یہ نہ قضا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ اعتقاد میں ان کا معصیت اور گناہ ہونا ہی نہیں رہا' حتیٰ کہ اگر کوئی رسم رہ جاتی ہے تو مرتے وقت وصیت کر جاتے ہیں۔ کیسا حس باطل ہوا ہے۔ جب کسی کو پاخانہ میں خوشبو آنے لگے تو کیا تعجب ہے کہ مہمانوں کے سامنے بجائے کھانے کے غلیظ (پاخانہ) کو رکھ دے مگر یاد رکھئے کہ مہمانوں کا حس باطل نہیں ہوا۔ آپ کے بے حس ہو جانے سے معصیت طاعت نہیں بن جائے گی' خدا تعالیٰ کے یہاں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو گا۔ یہ حالت بہت اندیشہ کی چیز ہے کہ معصیت کا برا ہونا بھی ذہن سے اٹھ جائے۔

آجکل کی رسموں کے ممنوع اور ناجائز ہونے کے شرعی دلائل

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گناہ کیا چیز ہے۔ گناہ کی حقیقت ہے خدا کے احکام کو بجا نہ لانا.... آپ نے جو فہرست گناہوں کی بنائی ہے اس میں بہت ہی کوتاہیاں ہیں' شریعت کی دی ہوئی فہرست میں اور بھی گناہ ہیں۔ آپ کی نظر چونکہ اپنی فہرست پر ہے اس واسطے رسموں کو گناہ نہیں سمجھتے۔ میں نے بتلا دیا کہ شریعت کی فہرست میں ایک گناہ تفاخر بھی ہے' جس عمل میں

پایا جائے گا اسی کو فاسد کر دیتا ہے۔ (خوب) سمجھ لیجئے کہ شریعت نے جو گناہوں کی فہرست دی ہے اس میں اور بھی گناہ ہیں جو آپ کی رسوم کا جزء ہیں' یعنی اس میں تکبر اور تفاخر وغیرہ بھی داخل ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں : "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ" (بیشک اللہ تعالیٰ ایسوں کو پسند نہیں کرتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں)---اور فرماتے ہیں : "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ" بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : "لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنَ الْکِبْرِ" جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ اور دوسری حدیث میں ہے : "مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ" جو شخص شہرت کے واسطے کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے دے گا (اور قیامت کے دن اس کو رسوا کرے گا) اور ایک حدیث میں ہے : "مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُھْرَۃٍ اَلْبَسَہُ اللّٰہُ ثَوْبَ الذُّلِّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" جو شخص دکھاوے اور شہرت کی غرض سے کوئی کپڑا پہنے گا خدا تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ ان آیات اور احادیث سے عُجب اور تکبر اور تصنع اور دکھلاوے کی برائی ثابت ہے' اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بناء ان ہی پر ہے یا نہیں۔

ہمارے پاس دلیل موجود ہے جس کی بناء پر ہم ان رسوم کو برا کہتے ہیں۔ وہ دلیل یہ ہے کہ تکبر اور تفاخر اور دکھلاوے کو شریعت نے معصیت قرار دیا ہے' جس فعل میں یہ معصیت موجود ہو گی وہ بھی معصیت ہو گا۔ اب آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کی رسموں کا یہ جزء اعظم ہے یا نہیں؟ اور یہ جزء ایسا ہے کہ تمام ان اجزاء کو جن کو آپ نے مباح کہا تھا سب کو اباحت سے نکال دیتا ہے۔

دیکھئے کپڑا پہننا جائز ہے' مگر جب تفاخر شامل ہو جائے تو جائز نہیں۔ کھانا کھلانا جائز ہے' مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں۔ کسی کو لینا دینا رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا سب سے اچھا ہے' مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں۔ یہ تفاخر حلال چیزوں کو ایسا گندہ کرتا ہے جیسے

نجاست کنویں کو۔ جس کو آپ نے بہت سہل سمجھ رکھا ہے اور اس کا نام ہی اپنی فہرست سے اڑا دیا ہے' حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو رسموں کی بناء اور اصل بھی تفاخر ہے' حتیٰ کہ بیٹی کو جو چیز جہیز میں دی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی (تفاخر) ہے کہ بیٹی لخت جگر کہلاتی ہے' ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رکھا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے' دوسرے کو دکھانا پسند نہ تھا' شاید نظر لگ جائے' نکاح کا نام آتے ہی ایسا کایا پلٹ ہوا کہ ایک ایک چیز مجمع کو دکھائی جاتی ہے' برتن اور جوڑے اور صندوق حتیٰ کہ آئینہ کنگھی تک شمار کر کے دکھلائے جاتے ہیں۔ اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے۔ برادری کو دکھانا ہے کہ ہم نے اتنا دیا' یہ منظور نہیں ہوتا کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان زیادہ ہو جائے۔۔۔اسی واسطے تمام جہیز ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت اجلا ہو اور قیمت کے اعتبار سے یہی کوشش کی جاتی ہے کہ سب چیزیں ہلکی رہیں۔ بازار خریدنے جاتے ہیں تو کہتے ہیں شادی کا سامان خریدنا ہے' لینے دینے کا سامان دکھاؤ۔

بیاہ شادی کی رسموں کے ناجائز ہونے کی قوی دلیل

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ﴾

(ترجمہ) "شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈال دے اور ذکر اللہ اور نماز سے روک دے۔"

حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ہیں' ایک یہ کہ شیطان اس کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں نفاق ڈال دے' دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عداوت اور بغض' نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آلہ ہیں اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہے۔ اسی واسطے اس کی شرح میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "کُلُّ مَا اَلْهَاکَ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ فَهُوَ مَیْسِر" یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کر دے وہ سب جوا ہے۔ حدیث میں جو اس کو جوا کہا گیا ہے وہ علت کے اشتراک کی بناء پر۔

اس میں تصریح ہو گئی کہ "نھی عن الخمر والمیسر" کی علت "الھاء عن ذکر اللّٰہ" (اللہ کے ذکر سے غافل کرنا) ہے۔ پس جہاں اللہ کے ذکر اور نماز سے غفلت کرنا پایا جائے گا وہ سب حکماً خمر اور میسر (یعنی شراب اور جوا کے حکم میں) ہو گا۔

اب اسی سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے۔ حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ (جو چیز نماز اور ذکر سے غافل کر دے) ان کا حکم بھی جوئے اور شراب کا سا ہے کیونکہ نماز سے غافل ہونے کا سبب ہو گئیں۔

اگر اور دلیلوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو یہ دلیل میں نے ایسی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ جب چاہے مشاہدہ کر لیجئے کہ جہاں یہ رسمیں ہوتی ہیں وہاں نماز (کی پابندی) نہیں ہوتی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق (یہ رسمیں) میسر یعنی جوئے کے حکم میں ہوئیں اور میسر کو قرآن شریف میں رِجس (ناپاک گندی شے) اور شیطان کا عمل فرمایا گیا ہے۔ تو میں نہیں کہتا بلکہ قرآن ان (رسوم) کو عملِ شیطان کہتا ہے۔

پس اور دلیلوں کو جانے دیجئے، یہی کیا کم خرابی ہے کہ اس کا نام عمل شیطان ہوا۔ حکم شرعی تو یہی ہے، جس کے لئے ایسی دلیل بتلائی گئی ہے کہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے۔

قائلینِ جواز کے دلائل پر تبصرہ

آج کل کی بعض رسمیں جو بصورت مباحات ہیں ان میں چالاکی کی گئی ہے اور ان کو کھینچ تان کر جائز کیا گیا ہے۔

جب علماء سے دریافت کیا تو اس طرح کہ آپس میں ملنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی رشتہ دار کے ساتھ سلوک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ان سوالوں کا جواب مجیب (مفتی) کیا دے سکتا ہے سوائے اس کے کہ جائز ہے۔ پس آپ نے یہ جواب لے کر گناہوں کی فہرست میں سے ان افعال کو علیحدہ کر لیا اور ان افعال کو جائز رکھا اور سمجھ لیا کہ جس مرکب کا ہر جزء مباح ہے تو مرکب ناجائز کیسے ہو گا۔ یہ دلیل ہے آج کل کے رسوم کی جو اکثر پڑھے لکھے لوگوں کو

یاد ہے۔ لیکن سمجھ لیجئے کہ شریعت میں اور بھی گناہ ہیں جو آپ کی رسوم کی جزء ہیں۔ یعنی تکبر' تفاخر (نام نمود' شہرت' دکھلاوا)

اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بناء ان ہی پر ہے (یا نہیں؟) پس اس مرکب کا ہر جزء جائز کہاں ہوا؟ پس آپ کی دلیل تو نہ چلی۔ اور ہمارے پاس دلیل ہے جس کی بنا پر ہم ان رسوم کو برا کہتے ہیں (جس کا بیان ماقبل میں گزر چکا)۔ پس جزءِ معصیت کو ذکر نہ کرنا اور صرف مباحات کا نام لے کر استثناء کرنا چالاکی نہیں تو اور کیا ہے۔

خدارا ان چالاکیوں کے مفاسد میں نہ پڑیئے' مفاسد تو اپنا اثر ضرور لائیں گے' کو کیسی ہی تاویل کرلو۔ کوئی سنکھیا (زہر) پیس کر ہتھیلی پر رکھ کر یہ تاویل کر کے کھائے کہ شکر بھی سفید ہوتی ہے اور یہ بھی سفید ہے تو ہم اس کو شکر کیوں نہ کہیں' کیا اس تاویل سے سنکھیا اپنا اثر چھوڑ دے گا؟

ایسے ہی کھانے اور پینے اور لباس اور اٹھنے بیٹھنے میں جب شرعی مفاسد موجود ہوں تو کیا ان مفاسد کا ازالہ آپ کے اس سمجھانے سے ہو جائے گا کہ لباس بھی جائز ہے' اٹھنا بیٹھنا بھی جائز ہے' لینا دینا بھی جائز ہے تو ان سب کا مجموعہ کیسے ناجائز ہو گا۔ اگر تحقیق مقصود ہے تو سوال میں اس ناجائز جزء کو بھی ظاہر کر کے جس عالم سے چاہے پوچھ لیجئے کہ لباس بطور تفاخر کے پہننا کیسا ہے؟ جواب یہی ملے گا کہ ناجائز ہے۔ اور اسی طرح اگر یہ پوچھا جائے کہ تفاخر کے لئے رسمیں کرنا کیسا ہے تو دیکھئے کیا جواب ملے گا۔

شرعی دلیل

آپ کا خیال تھا کہ کھانا کھلانا جائز ہے اور مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ جائز ہے' مگر شریعت کی فہرست میں دیکھو تو اس میں حدیث کا یہ مضمون بھی گناہوں میں لکھا ہوا ہے۔ حدیث میں ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ (مشکوٰۃ شریف)

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے کھانا کھانے سے منع فرمایا جو آپس کی کشاکشی سے کھانا کھلاتے ہوں۔"

دیکھ لیجئے یہ کھانا ناجائز ہے تو آپ کا یہ کہنا صحیح نہ رہا کہ کھانا کھلانے میں کیا حرج ہے۔

اسی پر تمام ان کاموں کو قیاس کر لیجئے جن کے مجموعہ کا نام رسوم ہے۔ آپ نے رسموں کے جواز میں یہ دلیل پیش کی تھی کہ کھانا کھلانا' دینا لینا' آنا جانا علیحدہ علیحدہ سب افعال مباح ہیں' ان کے جمع ہونے سے ممانعت کیسے لازم آگئی۔ میں کہتا ہوں کہ دیکھ لیجئے کپڑا پہننے کو آپ جائز سمجھتے ہیں مگر اس کے لئے شریعت میں ایک قید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : مَن لبس ثوبَ شہرۃٍ.... الخ یعنی جو شخص کوئی کپڑا دکھاوے کی غرض سے پہنے گا اس کو خدا تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے (اس طرح) کھانا کھلانے کو آپ جائز کہتے ہیں' اس میں بھی ایک قید ہے۔ اب ان رسوم میں دیکھ لیجئے کہ وہ افعال مع ان قیدوں کے موجود ہیں یا بلا قیدوں کے۔ اس میں آج کل کے عقلمند بھی دھوکہ کھاتے ہیں۔ (منازعۃ الہویٰ ۲۴۶)

○

بقیہ : خلافت — مقصدِ تخلیقِ آدم

انسان کی ضروریات کو سمجھو اور اس کو اپنانے کی کوشش کرو۔ دل کو ان سے لگاؤ۔ خالق سے بھی جڑو اور مخلوق سے بھی جڑو۔ کیونکہ خالق اور مخلوق کے جوڑ سے خلیفہ پیدا ہوتا ہے .... تمہارے ساتھ مدارس عربیہ کے طلباء اکٹھے بیٹھے ہیں' تم آپس میں بھائی بھائی ہو۔ تمہارا ایک ذہن بنے گا' ایک ذہن کی تخلیق ہوگی اور اس ذہن سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین۔ و آخر دعوانا اَن الحمدُ للہ رَبّ العالمین ○○

◎

خلافِ رسمِ جہیز آج کچھ جہاد کریں

جہیز ہم نے نہیں تجھ کو کچھ دیا بیٹی
نہیں ہے عار، یہ تیرے لئے نہ کچھ بیٹی

جہیز فرض نہ واجب نہ کوئی سنت ہے
فقط یہ نام پہ سنت کے ایک بدعت ہے

کہیں جہیز کا ہے تذکرہ بتائیں تو
نقاب چہرۂ تاریخ سے اٹھائیں تو

تمھیں اہلِ بیتِ نبی گیارہ محترم ازواج
جہیز لائی تھیں کیا؟ پوچھتا ہے ابن سراج

شمار کیجئے ہم نام بھی گناتے ہیں
نقاب چہرۂ تاریخ سے اٹھاتے ہیں

جہیز کیا دیا "ورقہ" نے بی خدیجہ "کو
جہیز کیا دیا "بوبکر" نے "حمیراء" کو

"عمر" نے کیا دیا سامان "بی بی حفصہ" کو
تلاش کر کے ذرا کوئی بھی بتائے تو

جہیزِ حضرتِ "سودہ" کا کچھ سراغ ملے
"جویریہ" کو بھلا کیا ملا پتہ تو چلے

نکاحِ "بنتِ خزیمہ" ذرا بتا دیجے
جہیز "ام حبیبہ" کا کچھ پتا دیجے

نکاحِ "ام حبیبہ" تو بادشہ نے کیا
مگر جہیز کا پھر بھی نہیں ہے۔ کوئی پتا

نکاحِ "بنتِ جحش" کا تو آسماں پہ ہوا
جنابِ حق نے بھی ان کو نہ کچھ جہیز دیا

بناتِ ختمِ رسل چار تھیں خبر بھی ہے
سوائے ایک کسی اور پہ نظر بھی ہے

تھیں دختران نبی "زینب" و "رقیہ" بھی
جناب "ام کلثوم" ہیں تیسری بیٹی

جناب "فاطمہ" چھوٹی تھیں لاڈلی بیٹی
حضور ختمِ رسل نے سبھی کی شادی کی

جہیز حضرتِ "زینب" نے کتنا پایا تھا
کسی حدیث سے کوئی تو کچھ پتہ دیتا

جہیزِ بی بی "رقیہ" بھی کوئی بتلائے
جہیزِ "ام کلثوم" کیا تھا فرمائے

جہیزِ "فاطمہ" لوگوں نے کر دیا مشہور
علاوہ ان کے کہاں اور تین کا مذکور؟

جہیزِ "فاطمہ" کی سنئے اب حقیقت بھی
جہیز ہی کے لئے تو زرہ علی کی بکی

دلہن کی خوشبو منگائی اسی رقم سے گئی
گرہستی گھر کی بنائی اسی رقم سے گئی

دلایا ان کو مکاں بھی الگ کرایہ پر
کرے جہاں پہ سکونت سکون سے دختر

حضور باپ تھے بیٹی کے اور "علی" کے ولی
بنا کے خویش مہیا بھی خود گرہستی کی

لکھا ہے شامی نے یہ مسئلہ صراحت سے
کہ مرد گھر کی گرہستی بھی خود مہیا کرے

خریدے پانی کے برتن، کٹورے، لوٹے گھڑے
توا، پتیلی، لگن، سینی اور رکابی دے

جہیز جب نہیں ثابت کتاب و سنت سے
تو کام کیا ہے ہمیں آخر ایسی بدعت سے

جہیز ایک مصیبت ہے بلکہ آفت ہے
جہیز وجہِ مذلت ہے طوقِ لعنت ہے

جہیز بند کریں راہِ سادگی کھولیں
غریب لوگ امیروں کے ساتھ تو ہولیں

نکاح کو کریں آساں کہ ہے یہ قولِ رسول
نکاح وہ ہے مبارک ہو سہل جس کا حصول

خدا کے واسطے ملت کے درد مند اٹھیں
خلافِ رسمِ جہیز آج کچھ جہاد کریں

جہیز بارِ گراں بن گیا ہے ملت پر
پڑی ہیں بیٹیاں پاؤں کی بیڑیاں بن کر

(ابن سراج رومی)

افکار و آراء

سود کے خاتمہ سے گریز کیوں؟

عبدالودود خان، الریاض

سود ناقابل معافی گناہ کبیرہ ہے اور قرآن مجید میں اسے ترک نہ کرنے والوں کے خلاف اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اہل ایمان کے لئے ایسی لرزا دینے والی وعید کسی اور گناہ کے لئے نہیں ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر طرح سے سود کے خلاف جدوجہد کرے اور لحہ بھر کے لئے بھی سود جاری رہنا گوارا نہ کرے۔ حیرت اور افسوس ہے کہ بعض دینی ذہن رکھنے والے لوگ بھی، جن میں حکم اذاں بلند کرنے کے دعویدار اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ایک شیدائی بھی شامل ہیں، سود کے خلاف جہاد کرنے کے بجائے سود جاری رکھنے والوں کے موید بن گئے ہیں۔ ایک اسلام پسند صحافی کے درج ذیل خیالات جو ان کے اپنے رسالے میں آئی جے آئی کے دور حکومت میں شائع ہوئے اسی ذہن کی عکاسی کرتے ہیں:

"مدیر... نے سیرت کانفرنس میں مختلف سوالوں کے جوابات بھی دیئے، بالخصوص سودی نظام کے خاتمہ کے لئے حکومت کی کوششوں سے آگاہ کیا۔ اور تفصیل سے بتایا کہ سود کے بارے میں بنیادی تصور یہ ہے کہ جب آپ کسی سے کچھ قرض لیتے ہیں تو اس کو اسی قدر واپس لوٹانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک آسان تھا جبکہ اشیاء کے بدلے اشیاء... سونے چاندی کے سکوں کے عوض ہوتا تھا۔ لیکن جب سے کاغذی نوٹ رائج ہوئے اس وقت سے ادائیگی کے طریقہ میں پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ کاغذی نوٹ کی قدر کی کمی بیشی ہونے کی وجہ سے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ ۱۰۰ روپے دو سال کے بعد کس طرح ادا کئے جائیں کہ اس کی قوت خرید میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ اسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بلا سود بنکاری کے مختلف تجربے ہو رہے ہیں۔ ان شاء اللہ جلد ہی موجودہ مشکلات پر قابو پالیا

جائے گا۔"!!!

قرآن و حدیث اور حقائق پر مبنی شریعت کورٹ کے تحقیقی اور جامع فیصلہ کے مطابق سود کے خاتمہ میں نہ تو کوئی رکاوٹ ہے اور نہ ہی تاخیر کی کوئی معقول وجہ۔ مولانا مودودی نے اپنی کتاب "سود" میں قرآنی احکام سے لاپرواہ ہو کر محض ذاتی مفاد کی خاطر سود بند کرنے کی راہ میں مشکلات کا ہوا کھڑا کرنے والے استحصالی طبقوں اور حکمرانوں کے اس تصور کی شدید مذمت کی ہے کہ سود کو بتدریج یا مشکلات پر قابو پا جانے کے بعد ختم کیا جانا چاہئے' اور لکھا ہے :

"یقین رکھئے اس طرح قیامت تک سود بند ہونے کی نوبت نہیں آسکتی۔ یہ کام تو جب کبھی کرنا ہوا اس طرح کرنا پڑے گا کہ اول قدم ہی پر سود کو از روئے قانون بند کر دیا جائے۔ پھر خود بخود سودی نظام مالیات پیدا ہو جائے گا اور ضرورت جو ایجاد کی ماں ہے آپ سے آپ اس کے لئے ہر گوشے میں بڑھنے اور پھیلنے کا راستہ بناتی چلی جائے گی۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے کوئی غیر سودی نظام مالیات بن کر تیار ہو لے پھر سود یا تو آپ سے آپ بند ہو جائے گا یا اسے قانوناً بند کر دیا جائے گا وہ درحقیقت گھوڑے کے آگے گاڑی باندھنا چاہتے ہیں۔ جب تک سود از روئے قانون جاری ہے اس وقت تک یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی غیر سودی نظام مالیات وجود میں آئے۔"

اصل مسئلہ مشکلات حل کرنے کا نہیں بلکہ حکم خداوندی پر عمل کرنے اور سرمایہ دار طبقہ کے مفاد کے خلاف قدم اٹھانے کی نیت کا ہے۔ نفاذ شریعت کے وعدہ پر قائم ہونے والی حکومت نے از خود سود بند کرنے کے بجائے شریعت کورٹ کے فیصلہ پر بھی عمل نہ کیا۔ فیصلہ میں دی گئی چھ ماہ کی مہلت میں کچھ نہ کرنا اور یہ کہتے رہنا کہ حکومت اس فیصلہ کے خلاف اپیل نہ کرے گی اور پھر آخری لمحہ پر اپیل دائر کر دینے اور مزید آٹھ ماہ گزر جانے کے بعد بھی اس بارے میں کچھ نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ حکومت کا ارادہ سود ختم کرنے کا نہیں بلکہ اسے ممکنہ مدت تک جاری رکھنے کا تھا اور یہ کہنا قطعی غلط تھا کہ حکومت سود کے خاتمہ کی کوششیں کر رہی ہے۔ کیونکہ حکومت کو قانوناً سود بند کر دینے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔

قرآن کے واضح حکم کی موجودگی میں تجربہ کی بات کرنا کھلی گمراہی ہے۔ نام نہاد نفع نقصان والے کھاتوں کو غیر سودی بنکاری کا تجربہ کہنا طفلانہ بات ہے کیونکہ ان میں صرف سود کا نام بدل کر منافع کر دیا گیا ہے۔ یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ قرض پر کوئی نفع نہیں لیا جا سکتا۔ جو رقم یا شے قرض دی جائے گی اتنی ہی رقم یا شے واپس کی جائے گی' اس میں قیمت خرید قطعی غیر متعلقہ امر ہے' کیونکہ رقم اور اشیاء کی مقدار کو گننے' تولنے اور ناپنے کے پیمانے موجود ہیں لیکن ان کی قیمت خرید مقرر کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے۔ اس لئے کہ ہر نقد اور شے کی قدر و قیمت وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ ہر شے کی طرح سونے چاندی کے سکوں کی قدر و قیمت بھی بدلتی رہتی تھی جس طرح سونے چاندی کے نرخ آجکل بھی بدلتے رہتے ہیں۔ سکوں کی جگہ نوٹ رائج ہونے سے قرض کی ادائیگی میں قطعی کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوئی۔ نوٹ کی قیمت خرید میں کمی بیشی سود کے مسئلہ سے قطعی غیر متعلق ہے۔ رائج الوقت سودی نظام میں بھی قرض کے سلسلے میں قیمت خرید کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ سود کے خاتمہ کے سلسلہ میں اس مسئلہ کو اٹھانے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سود کے خاتمہ میں الجھن ڈالنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ قرآنی حکم کے مطابق ۱۰۰ روپے کے قرض کو دو سال بعد ادا کرنے کے لئے ۱۰۰ روپے ہی دینے ہوں گے۔ میں اگر ۱۰۰ روپے اپنے پاس رکھنے کے بجائے قرض دے کر دو سال بعد واپس لے لوں تو دونوں صورتوں میں میرے ۱۰۰ روپیہ کی قیمت خرید دو سال بعد ایک ہی ہوگی۔ اس میں میرا کوئی نقصان نہیں ہے' البتہ سود خور کے نزدیک یہ نقصان والا معاملہ ہوگا۔ کیونکہ وہ تو قرض دے کر سود کمانے کی فکر کرتا ہے اور انفاق فی سبیل اللہ اور قرض حسن سے بچنے میں اپنا فائدہ سمجھتا ہے۔ قرض تو فاضل رقم میں سے ہی دیا جاتا ہے۔ اگر فاضل رقم میں سے قرض پر دی گئی کچھ رقم کی قدر و قیمت میں کچھ کمی ہو بھی جائے تو یہ کوئی ایسا نقصان نہیں ہے (حقیقتاً تو یہ نقصان ہے ہی نہیں) جس کی وجہ سے قوم کو سود کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے۔ اگر قرض پر دی گئی رقم کی قدر و قیمت میں کمی ہونا کوئی حل طلب مشکل ہے تو یہ تو ہے ہی سود کی وجہ سے' کیونکہ سود کا ایک لازمی نتیجہ روپے کی قدر و قیمت میں کمی ہوتا ہے۔ جب تک سود جاری رہے گا یہ کمی ہوتی رہے گی۔ اس کو روکنے کا واحد حل سود کو بند کرنا ہے۔ اس مشکل کا حل

پانے تک سود بند کرنے میں تاخیر کی تجویز ایسی ہے جیسے دوا کا استعمال مرض سے شفا حاصل ہونے تک مؤخر کر دینا۔!

سودی لین دین پر احادیث میں شدید وعید وارد ہوئی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا :

"جب کسی قوم میں سودی لین دین کا رواج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے۔" (مسند احمد)

"جب کسی بستی میں بدکاری اور سودی کاروبار پھیل جائے تو اس نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دے دی۔" (مستدرک حاکم)

عوف بن مالک سے فرمایا کہ "ان گناہوں سے بچو جو معاف نہیں کئے جاتے۔ ان میں سے ایک مال غنیمت کی چوری ہے' دوسرے سود کھانا۔" (طبرانی)

"آدمی جو سود کا ایک درہم کھاتا ہے وہ چھتیس مرتبہ بدکاری کرنے سے سخت گناہ ہے۔" (مسند احمد و طبرانی)

مصور پاکستان علامہ اقبال نے فرمایا :

از ربا جاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دندان و چنگ
از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!
کس نہ داند لذت قرض حسن

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

مولانا مودودی مرحوم نے اپنی تحقیقی تصنیف "سود" میں لکھا ہے :

"سرمایہ دارانہ نظم معیشت کو اختیار کرنا اسلام کے خلاف بغاوت ہے۔ یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ اجتماعی معیشت اور نظام مالیات میں سب خرابیاں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئیں کہ قانون نے سود کو جائز کر رکھا ہے۔ مغربی سرمایہ داروں کے طریقوں پر اصرار کئے چلے جانا بجز اس کے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ خدا سے بغاوت کا

فیصلہ کرلیا گیا ہے۔"

سید قطب شہید نے تفسیر "فی ظلال القرآن" میں لکھا ہے :

"اسلام براہ راست سودی نظام سے متصادم ہے۔ یہ دونوں نظام ایک وقت میں ایک معاشرہ میں نہیں رہ سکتے۔ سود خالص اقتصادی لحاظ سے بھی ایک زبردست لعنت ہے۔ جو شخص بھی مسلمان رہنا چاہتا ہے اسے یقین کامل رکھنا چاہئے کہ یہ امر محال ہے کہ اللہ سبحانہ کسی ایسی شے کو حرام قرار دیں جو حیات انسانی کی نشوونما کے لئے ضروری ہو اور اس طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ کوئی بات برائی ہو اور اس کے باوجود بھی وہ انسانی زندگی کے لئے ناگزیر ہو۔ یہ تصور کہ سود اقتصادی نشوونما کے لئے ناگزیر ہے ایک انتہائی غلط اور خبیث پروپیگنڈے کا نتیجہ ہے۔"

سود سے مہنگائی میں اضافہ حدیث کے عین مطابق اور تجربہ سے ثابت ہے۔ ماہرین اقتصادیات و شماریات کی جدید تحقیق ہے کہ سود سے بیروزگاری میں بھی اضافہ ہوتا ہے چنانچہ حال ہی میں جرمنی میں بیروزگاری میں اضافہ کو روکنے کے لئے ماہرین اقتصادیات نے حکومت کو شرح سود میں کمی کرنے کی سفارش کی ہے۔ پاکستان میں پچھلے پندرہ بیس سالوں میں متعدد نئے سودی ادارے اور نئی نئی سودی سکیموں سے سودی کاروبار کو جو فروغ ملا اس کے مہلک اثرات ہوشربا مہنگائی اور بیروزگاری میں خطرناک حد تک اضافہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ سود فوری طور پر بند کردینے سے ایک یقینی اور فوری فائدہ پوری قوم کو یہ ہوگا کہ حکومت مقامی قرضوں پر جو اربوں روپیہ سود ادا کرتی ہے وہ رقم قومی اخراجات کے لئے بچ جائے گی اور نتیجہ بجٹ کے خسارہ میں زبردست کمی سے مہنگائی میں کمی ہو جائے گی۔ شریعت کورٹ میں دیئے گئے ایک بیان کے مطابق ماہرین شماریات نے اس بات کی تصدیق کردی ہے کہ نظام عشر و زکوٰۃ کو اگر مکمل طور پر نافذ کردیا جائے تو حکومت کے پاس اس قدر دائمی فنڈ جمع ہو جائے گا جس کے بعد حکومت کو کسی قومی یا بین الاقوامی قرض کی ضرورت نہ رہے گی۔

سود کے کاروباری ادارے اپنے مفاد کی خاطر اور بعض صحافی عربی زبان سے ناواقفیت اور قرآن و حدیث اور تاریخ سے لاعلمی کی وجہ سے یہ غلط تصور پھیلا رہے ہیں کہ قرآن

کریم میں حرام قرار دیئے گئے "ربا کا اطلاق تجارتی سود پر نہیں ہوتا۔ تفسیر ابن جریر میں روایت ہے کہ بنو عمرو بن عمیر بن عوف' بنو مغیرہ سے قرض لیا کرتے تھے۔ یہ شخصی قرض نہ تھے۔ قبائل عرب کی حیثیت مشترک سرمایہ کمپنیوں جیسی تھی جن کے ذریعہ قبیلہ کے افراد مشترک تجارت کیا کرتے تھے' لہٰذا یہ قرضے شخصی ضروریات کے بجائے تجارتی اغراض کے لئے ہوا کرتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاد فضل الرحمٰن صاحب نے "تجارتی سود تاریخی اور فقہی نقطۂ نظر سے" میں لکھا ہے :

> قرض لئے ہوئے سرمایہ پر اضافہ عربی زبان میں ربا کہلاتا ہے' خواہ وہ کسی مقصد کے لئے لیا گیا ہو۔ عربوں کے کاروباری رسم و رواج اور سودی لین دین کے بارے میں پیش کردہ مواد کو سامنے رکھ کر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عرب زمانہ قدیم سے تجارتی اور پیداآور قرضوں سے نہ صرف واقف تھے بلکہ یہ قرضے اور ان پر مشروط اضافوں کا مطالبہ اور ادائیگی ان کے نظم معیشت کا بنیادی پتھر تھی"۔

مولانا گوہر رحمٰن نے شریعت کورٹ میں اپنے بیان میں کہا ہے :

> "بنو عمرو کو بنو مغیرہ سودی قرض دیتے تھے اور بنو مغیرہ کو بنو عمرو سودی قرض دیتے تھے اور دونوں کا مال کثیر ایک دوسرے کے ذمہ تھا۔ اگر یہ تجارتی قرضے نہ تھے تو کیا مال کثیر کا مالک گھریلو اخراجات کے لئے قرض لیا کرتا ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کو تجارتی قرض دیا کرتے تھے اور اس کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ چھوڑ دو جو بھی باقی ہو سود۔ جب آیت کا شان نزول ہی تجارتی قرضے تھے تو ان کو اس آیت کے حکم سے کیسے خارج کیا جا سکتا ہے؟"

سود کے معاشی اور اخلاقی مضرات' غیر سودی نظام معیشت کی افادیت و برکات اور اس کے قیام کا طریقہ کار' اور سودی نظام کے حامیوں کی طرف سے سود کے فوری خاتمہ پر کئے جانے والے اعتراضات کے جوابات اور اس مسئلہ پر مقتدر علماء و ماہرین اقتصادیات و شماریات کی تحقیقات و نظریات و مواقف پر تفصیلی معلومات کے لئے مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل کی جون ۱۹۸۰ء میں پیش کردہ حتمی رپورٹ' شریعت کورٹ کے دسمبر ۱۹۹۱ء کے فیصلے اور ممتاز ماہر اقتصادیات شیخ محمود احمد مرحوم کی تصنیف "بلا سود بنکاری" سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ خلوص نیت سے مسئلہ کو سمجھنے اور غیر سودی نظام

معیشت قائم کرنے کا ارادہ رکھنے والوں کے لئے ان میں وافر مواد ہے۔ ان کے مطالعہ کے بعد بھی سود کے فوری خاتمہ کی مخالفت کرنے والوں کا معاملہ "صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ" والا ہی ہو گا۔

سود سے پیدا ہونے والے مصائب اور غضب الٰہی سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور اس گناہ کبیرہ سے توبہ کریں اور اجتماعی و انفرادی طور پر ملکی معیشت سے اسے ختم کرانے کی حتی المقدور جدوجہد کریں۔ اسلام کے نام لیوا اور قوم کی فلاح و بہبود کے علمبردار اخبارات و رسائل کے مدیروں صحافیوں اور کالم نگاروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے ذرائع اور صلاحیتوں کو سود کے خلاف جہاد میں استعمال کریں اور اپنے اخبارات و رسائل میں سود کے خلاف جدوجہد کی مناسب طور پر ہمت افزائی اور مدد کریں۔ اگر وہ کچھ اور نہ کر سکیں تو اپنے حق گوئی کے دعووں کا پاس رکھتے ہوئے ملک کے حکمرانوں سے کم از کم اس سوال کا جواب تو طلب کریں کہ سرمایہ داروں اور سود خوروں کے مفادات کے تحفظ کے علاوہ وہ کونسی مصلحت ہے جس کے تحت قرآنی احکام، فرمان رسول ﷺ، "کلام اقبال"، مقتدر علماء و مفکرین اسلام اور ماہرین اقتصادیات کی تحقیقات، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات، شریعت کورٹ کے فیصلہ اور سود کے تباہ کن اثرات سے لاپرواہ اور عذاب خداوندی سے بے خوف ہو کر انہوں نے قوم پر سود کی لعنت مسلط کر رکھی ہے اور قوم کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا ہوا ہے۔۔۔ اور سود کے خاتمہ سے گریز کیوں؟؟

اطلاع

تحریک خلافت پاکستان کے مرکزی دفتر واقع ۲۔اے مزنگ روڈ لاہور میں فیکس مشین نصب کر دی گئی ہے جس کا نمبر 311668 ہے۔

تنظیم اسلامی ہی کیوں؟

——— تحریر : نجیب صدیقی ———

انسان معاشرتی حیوان ہے اور مل جل کر رہنا اس کی سرشت میں داخل ہے۔ ویسے بھی ایک دوسرے کی ضرورت انسان کو مل جل کر رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ اپنی تمام ضروریات میں خود کفیل نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ ایک دوسرے کا سہارا نہ لے دنیا میں زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ ایک چھپر اٹھانے کے لئے بھی ایک چھوٹی جماعت کی ضرورت پڑتی ہے' وہ تنہا نہیں اٹھا سکتا۔ یہیں سے اجتماعیت کی بنیاد پڑتی ہے۔ یہ اجتماعیت چھوٹے پیمانے پر خاندان اور اس سے بڑھ کر برادری' کنبہ اور قبیلہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں جماعتوں اور تنظیموں کا وجود اسی بات کا اظہار ہے۔

اس دور میں جماعتوں نے اتنی اہمیت اختیار کر لی ہے کہ یہی حکومتیں بناتی ہیں اور بگاڑتی بھی ہیں۔ ترقی کی دوڑ میں ان کی اہمیت تسلیم شدہ ہے۔ کہتے ہیں درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ جماعتیں بھی اپنے منشور' اپنے کردار اور اپنی کارکردگی سے پہچانی جاتی ہیں۔ عموماً جماعتوں کو لوگ دو گروپ میں تقسیم کرتے ہیں ایک "رائٹ" دوسرا "لیفٹ" اور انہی دونوں کے درمیان رسہ کشی رہتی ہے۔ ہم اگر اپنے ملک میں جماعتوں کو گروپس میں تقسیم کریں تو متعدد گروپ بنتے ہیں۔ اس ملک کی بدقسمتی یہ ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والا ملک سیکولر جماعتوں کی گرفت میں ہے۔ مسلم لیگ جس نے اس ملک کو جنم دیا اس کی عظیم اکثریت سیکولر سوچ رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں آج تک اسلام کے نفاذ میں قابل قدر پیش رفت نہیں ہو سکی۔

سیکولر جماعتوں کے علاوہ بہت سی مذہبی جماعتیں ہیں جو مسلک کی بنیاد پر قائم ہیں اور اسی حصار میں اپنے کو محصور رکھتی ہیں۔ مساجد پر ان کا قبضہ ہے اور وہیں سے وہ ایک دوسرے پر گولہ باری بھی کرتی رہتی ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ تمام مذہبی جماعتیں عالم اسلام کے اتحاد کی داعی ہیں مگر خود ایک جگہ جمع ہونا تو کجا' ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا نہیں کر سکتیں۔

ملک پر مفاد پرست عناصر کی مضبوط گرفت ہے' اور "طلب حقوق" کے نام پر متعدد لسانی تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں۔ اب معاشرے میں وہ بھی اپنا اثر و نفوذ رکھتی ہیں اور عوام کی ایک

بڑی تعداد ان کو ہمنوا ہے۔

ہمارے ملک میں دو بڑی نظریاتی جماعتیں ہیں اور دونوں ایک دریا کے دو کناروں پر ہیں۔ ایک نے سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھ رکھا ہے اور دوسری اس کی زلف گرہ گیر کی اسیر ہے۔ ملک میں حکومت کی تبدیلی کا واحد ذریعہ الیکشن ہیں' جو جیت جاتا ہے وہ حکومت بناتا ہے۔ جیتنے والا طبقہ ۴۵ برس سے ایک ہی ہے اور وہ زمیندار' جاگیردار اور سرمایہ دار ہے۔ وہ نیم مذہبی بھی ہے اور نیم سیکولر بھی ہے' جبکہ صحیح معنوں میں مفاد پرست ہے۔ وہ لوگ جو اسلام کو محض ایک "مذہب" کی حیثیت دیتے ہیں یعنی چند مراسم عبودیت ہی کو کل سمجھ رکھا ہے وہ تو اپنے ذوق کے مطابق کسی جماعت یا جمعیت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سیاسی ذہن رکھنے والے بھی نیم سیکولر اور نیم مذہبی سیاسی جماعتوں میں اپنا سکون ڈھونڈ لیتے ہیں' بلکہ اپنے ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ جو ملک میں اسلامی حکومت کے خواب دیکھ رہے ہیں اور ان کا جینا مرنا بھی اسی نظریہ کے تحت ہے اور انہیں بھی انتخاب کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آتا' اگرچہ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ اس راستے سے انقلاب نہیں آئے گا اور ۴۵ برس کا تجربہ اس بات کا گواہ ہے۔ ان کی مثال کولہو کے اس بیل کی سی ہے جس کی آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور وہ مسافت پر مسافت طے کر رہا ہے' مگر آنکھوں سے پٹی کھلنے پر وہ اپنے کو اسی مقام پر پاتا ہے۔

کھلی آنکھوں سے اگر دیکھا جائے تو پاکستان میں تنظیم اسلامی ہی وہ واحد جماعت ہے جس سے امید کی کرن وابستہ نظر آتی ہے۔ تنظیم اسلامی نہ ان معنوں میں مذہبی جماعت ہے جو کسی مسلک سے وابستہ ہو اور نہ ان معنوں میں سیاسی جماعت ہے جو محض اقتدار کی طالب ہو۔ یہ ایک دینی جماعت ہے جس کا پہلا مطالبہ ایک فرد سے یہ ہے کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو' پوری کی پوری۔ زندگی کو تقسیم نہ کرو کہ یہ دنیا ہے اور یہ دین ہے۔ دین و دنیا کی تقسیم ہی نے منافقت پیدا کی ہے۔ جس طرح مسجد میں تم اللہ کے بندے ہو اسی طرح اپنے گھر میں بھی اللہ کے بندے بنو۔ تمہارے کاروبار' تمہاری ملازمت اور تمہاری سیاست میں بھی اللہ کی بندگی نظر آئے۔ جب تم کسی منصب پر ہو تو اسی کے احکام کے مطابق فیصلہ کرو۔ ایسا نہ کرنے والا اللہ کے نزدیک ظالم بھی ہے' فاسق بھی ہے اور کافر بھی ہے۔ بندگی کا اظہار تمہاری زندگی کے ہر گوشے سے ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ ایک دھوکہ ہے' فریب ہے۔ لہٰذا پہلا کام تو لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلانا ہے۔ انبیاء کا طریقہ کار بھی یہی رہا ہے' انہوں نے نوع انسانی کو بندگی رب کی طرف بلایا۔ جو اس دعوت کو قبول کرتے گئے انہی سے حزب اللہ وجود میں آئی۔

تنظیم اسلامی کا پہلا ہدف فرد ہے۔ فرد کی اصلاح کے بغیر نہ معاشرہ درست ہو سکتا ہے نہ ہی فلاحی مملکت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ یہ وہ بنیادی کام ہے جس کے کئے بغیر محض بیانات

دینے یا زبان کے پھاگ سے نفاذ اسلام کی بات کرنا اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ فرد کی اصلاح کے ساتھ ان کو ایک مقصد کی لڑی میں پرونا' ان کی تربیت کرنا اور ان کو ایک نظم کے ساتھ وابستہ کرنا تنظیم کی ترجیح اول ہے۔ ایسے لوگ جب ایک بڑی تعداد میں میسر آجائیں گے تو انہی سے انقلاب کی بنیاد پڑے گی۔ جب تک یہ کام نہ ہو گا ولی کے لال قلعہ پر جھنڈا گاڑنے کا نعرہ دیوانے کی بڑ کے سوا کچھ نہیں۔

تنظیم اسلامی' اپنی تنظیم' اپنے مقصد اور طریقہ کار کے اعتبار سے ایک منفرد جماعت ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ الیکشن میں حصہ لینے سے جماعتیں ایک دوسرے کی حریف بن جاتی ہیں اور قبول حق کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ پھر اقتدار کی رسہ کشی ہی مطلوب و مقصود بن جاتی ہے' جس کے اثرات عام کارکنوں سے لے کر قیادت تک پر پڑتے ہیں' اور انقلاب محض نعرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی نے ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا ہے کہ وہ کسی قسم کے انتخابات میں حصہ نہیں لے گی۔ اس کی تمام تر جدوجہد اور صلاحیتیں اس انقلابی تعمیر کے لئے خرچ ہوں گی' اور یکسو ہو کر اس قوت کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

رہی یہ بات کہ وہ انقلاب آئے گا کس طرح سے' اگرچہ یہ بات قبل از وقت ہے' تاہم اس کام ایک خاکہ ذہن میں رہنا چاہئے۔ دنیا نے ہمیشہ قوت کو تسلیم کیا ہے۔ پہلے بھی یہ حقیقت تسلیم شدہ تھی اور آج بھی ہے' البتہ اس کی شکلیں مختلف رہی ہیں۔ آپ کے پاس اگر اتنی قوت مجتمع ہو جائے جو وقت کے نظام کو چیلنج کر سکے تو اقتدار کو آپ کے نظریات تسلیم کرنے ہی میں عافیت محسوس ہو گی۔ اور جب آپ کے ساتھ حق کی قوت بھی ہو گی اور آپ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ نوع انسانی کے خیر خواہ کی صورت میں سامنے ہوں گے تو ایسی صورت میں عوام الناس "یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا" کے مصداق آپ کے ساتھ ہوں گے۔ قرآن اس بات کا گواہ ہے کہ بہت سی چھوٹی جماعتیں اللہ کے اذن سے بڑی جماعتوں پر غالب آتی رہی ہیں۔۔۔۔ جب آپ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کا عزم کریں گے تو کیا وہ آپ کو تنہا چھوڑ دے گا اور آپ کو دشمنوں کے سپرد کر دے گا؟ کبھی ایسا ہوا ہے' نہ آئندہ ہو گا!!

قرآن اکیڈمی کراچی میں دو روزہ تربیت گاہ

ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان نے رفقاء تنظیم کی تربیت کے لئے دو روزہ تربیت گاہوں کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔ یہ تربیت گاہیں سال میں متعدد بار منعقد ہوتی ہیں۔ ان تربیت گاہوں کے انعقاد سے رفقاء کے علم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ عقائد کی درستی اور دین کا صحیح فہم پیدا ہوتا ہے' جذبہ و شوق کو مہمیز ملتی ہے' کام کرنے کا داعیہ ابھرتا ہے' تحریر و تقریر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے' اور ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کرنے اور مل کر وقت گزارنے سے محبت بڑھتی ہے۔

ماہ جون ۹۴ء میں منعقدہ تربیت گاہ کا پہلا دن جمعہ ۷ جون تھا۔ تربیت کی ابتداء نماز تہجد سے ہوئی۔ رفقاء رات ہی کو قرآن اکیڈمی پہنچ گئے تھے۔ نماز فجر کے بعد جناب یونس واجد صاحب نے قرآن مجید کے ایک رکوع کا رواں ترجمہ اور مختصر تشریح بیان کی۔ اس کے بعد جناب عزیز بٹ صاحب نے بھی انتہائی اختصار کے ساتھ قرآن مجید کی کچھ آیات کا ترجمہ و تشریح کی۔ اشراق کے بعد دس منٹ ورزش کے لئے مختص کئے گئے تھے' جس کے لئے جناب عابد جاوید صاحب نے رہنمائی فرمائی۔ اس کے بعد ساڑھے آٹھ بجے تک آرام و ناشتہ کے لئے وقفہ تھا۔

ساڑھے آٹھ بجے تربیت گاہ کا باقاعدہ آغاز جناب نسیم الدین صاحب ناظم حلقہ نے اپنے افتتاحی کلمات سے کیا۔ آپ نے سمع و طاعت کے حوالے سے وقت کی پابندی کی طرف متوجہ کیا تاکہ دیئے گئے تمام پروگرام صحیح وقت پر شروع ہوں۔ آپ نے رفقاء کو پروگرام کی تفصیل سے آگاہ کیا' نیز تربیت گاہ کے اغراض و مقاصد پر بھی روشنی ڈالی۔

ناظم حلقہ کے بعد جناب شمس العارفین صاحب "موجودہ معاشرہ اور تنظیم اسلامی" کے موضوع پر خطاب کے لئے تشریف لائے اور موجودہ معاشرہ کی بے حسی کے اسباب کا بہت خوب تجزیہ کیا۔ دین نے مذہب کی صورت کس طرح اختیار کی اس کی ایک مختصر تاریخ بیان کی' پاکستان جس دور سے گزر رہا ہے اس کی صحیح عکاسی کی ----- اور ان حالات کو بدلنے اور درست کرنے کے لئے واحد نسخہ "تمسک" بالقرآن یعنی قرآن سے جڑ جانا ہی ہے' اس کی وضاحت فرمائی۔ ایک مربوط اور مسلسل تقریر اپنے عنوان کا پوری طرح احاطہ کئے ہوئے تھی۔ ہمارا یہ نیا مقرر چشم تصور میں مستقبل کا ایک بڑا خطیب نظر آیا۔ جس طرح بیج میں پورا درخت موجود ہوتا ہے' شرط یہ ہے کہ اس کے لئے ہوا' پانی اور پرورش کی سہولتوں کا خیال رکھا جائے' اسی طرح اگر تقریر کے مسلسل مواقع ملتے رہے اور خود انہوں نے بھی اپنی توجہ کو اس پر مرکوز کیا تو وہ تنظیم کا ایک اچھا

اثاثہ ثابت ہوں گے۔

آپ کے بعد جناب عابد جاوید صاحب "تحریک اسلامی کے کارکنوں کے اوصاف" پر تقریر کرنے تشریف لائے۔ آپ بھی بھرپور تیاری کر کے آئے تھے۔ اور ان کی آج کی تقریر بہت مربوط اور اپنے موضوع کے فریم میں پوری طرح فٹ تھی۔ جس طرح ایک تصویر اپنے فریم میں خوبصورت نظر آتی ہے اسی طرح ان کی یہ تقریر بھی تھی۔ ہمارا یہ ابھرتا ہوا مقرر ہمارے مستقبل کی روشن نوید ہے۔

ان کے بعد تنظیم اسلامی کے بزرگ ترین ساتھی جناب شیخ جمیل الرحمٰن صاحب "اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی تنظیم کے تقاضے" بیان کرنے کے لئے تشریف لائے، لیکن موضوع پر آنے سے پہلے ہی وقت کا دامن تنگ ہو گیا۔ بہرحال آپ نے جو باتیں بھی بیان کیں بڑی قیمتی تھیں جنہیں رفقاء ہمہ تن گوش سن رہے تھے۔ آپ نے وقت کی کمی کا شکوہ کیا اور یہ شکوہ درست بھی تھا۔ اس پر ناظم حلقہ نے آئندہ کے لئے وعدہ فرمالیا۔ آئندہ ان شاء اللہ وہ اپنی زندگی کے تجربات کا نچوڑ پیش کریں گے اور رفقاء یقیناً اسے "آب حیات" پائیں گے۔

امیر محترم کے لئے خطاب جمعہ کا وقت ۳۰ : ۱۲ تھا۔ آپ ٹھیک وقت پر تشریف لائے۔ گزشتہ ماہ آپ نے فلسفہ شہادت پر تقریر کی تھی اور قرآن مجید نے جن معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا اسے تفصیل سے بیان کیا تھا۔ اس ضمن میں بعض دوسری باتیں بھی زیر بحث آئی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ آج کی تقریر گزشتہ تقریر کا تسلسل ہے۔ آپ نے اسی مضمون کو ایک دوسرے انداز سے بیان فرمایا۔ نیز دین اور مذہب کے فرق کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا کہ اسلام، جو ایک مکمل دین ہے، اس نے مذہب کی صورت کب اور کس طرح اختیار کی اور اس تصور نے ہمیں کتنا نقصان پہنچایا ہے، آج ہماری پستی کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم نے اسلام کو ایک مذہب سمجھ لیا ہے اور کتاب الٰہی کو حصول برکت اور ایصال ثواب کی کتاب سمجھتے ہیں۔ اس ذلت اور پستی سے نکلنے کے لئے اپنے اس تصور کو درست کرنا ہوگا اور کتاب الٰہی سے اپنا تعلق استوار کرنا ہوگا۔ یہی وہ کتاب ہے جو ہمیں پستی سے نکال کر بلندیوں کی طرف لے جا سکتی ہے۔ آپ نے قرآن اکیڈمی میں ایک سالہ کورس کا ذکر کرتے ہوئے سامعین کو متوجہ کیا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ نے حاضرین سے کہا کہ وہ اس بات کا خود فیصلہ کریں کہ اللہ کو کیا جواب دیں گے کہ آپ نے عمر کا ایک بڑا حصہ اس تعلیم پر صرف کیا ہے جو انتہائی محدود وقت میں کام آنے والی ہے لیکن اس ابدی زندگی میں کام آنے والی کتاب کی طرف کوئی التفات نہیں۔

امیر محترم ڈھائی ماہ کے بیرونی دورے پر جاتے ہوئے کراچی آئے تھے۔ خطاب جمعہ کے بعد سہ پہر ساڑھے تین بجے آپ نے ایک سالہ کورس میں شریک ہونے والے افراد سے ایک خصوصی خطاب کیا۔ اس خطاب میں آپ نے تعلیم کے ہدف اور نیت کے اخلاص پر گفتگو فرمائی۔

ایک سالہ کورس میں شریک ہونے والوں کے لئے یہ حوصلہ افزائی بھی تھی۔

تربیت گاہ کے پہلے دن کا دوسرا اجلاس شام ۴۵ : ۴ پر شروع ہوا۔ اس اجلاس کے پہلے مقرر جناب اختر ندیم صاحب تھے۔ آپ کو جو موضوع دیا گیا تھا وہ "موجودہ حالات اور تنظیم اسلامی" تھا۔ موضوع ایک اعتبار سے اچھوتا بھی تھا اور مشکل بھی لیکن آپ نے جس انداز پر اپنی تقریر تیار کی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ نے اس پر غور و فکر کے بعد اچھی طرح ہوم ورک بھی کیا ہے۔ جو لوگ حالات حاضرہ کو اہمیت نہیں دیتے اس تقریر کے بعد یقیناً چونک گئے ہوں گے کہ اس کی کتنی اہمیت ہے۔ موجودہ دنیا کئی اعتبارات سے سمٹ گئی ہے' سکڑ گئی ہے' دنیا کے سرے پر ہونے والا کوئی واقعہ یا کوئی تبدیلی عالمی نظام پر اثر انداز ہوتی ہے اور ہر ملک اپنے اپنے انداز پر اسے محسوس کرتا ہے۔ اس لئے ایسی تنظیم جو انقلابی عمل کا داعیہ رکھتی ہو اس کے لئے ہر واقعہ سے باخبر ہونا کتنا ضروری ہے۔ جناب اختر ندیم صاحب نے اس کے تمام گوشوں کا جائزہ لیا۔ ان کی اس فکر انگیز تقریر سے رفقاء نے بہت استفادہ کیا۔ نیز اس بات کا اندازہ بھی ہوا کہ اپنے موضوع پر وقت صرف کر کے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کی ان میں بھرپور صلاحیت موجود ہے۔

آپ کے بعد جناب محمد یامین صاحب تشریف لائے۔ آپ نے "قرآن کا انسان مطلوب" پر تقریر فرمائی۔ اس کے بعد جناب افتخار عالم صاحب نے سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع کی تلاوت کی اور اس کا ترجمہ بیان کیا۔ جناب مقبول صاحب نے التزام جماعت پر مختصر خطاب کیا۔ اس کے بعد تنظیم کے ایک بزرگ رفیق جناب عبدالخالق صاحب نے فکر آخرت پر دعوت فکر پیش کی۔ اس طرح آج کا پروگرام اختتام کو پہنچا۔

دوسرے روز (ہفتہ ۱۸ جون) نماز تہجد اور فجر کے بعد جناب نوید احمد نے درس قرآن مجید دیا اور واقعہ سبت کے حوالے سے ہمارے لئے جو عبرت و موعظت کا سامان ہے اور ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں شرح و بسط سے بیان کیا۔

اس تربیت گاہ کا آخری اور قدرے طویل پروگرام امیر محترم کی کتاب "مطالبات دین" کا اجتماعی مطالعہ تھا۔ جناب اعجاز لطیف صاحب نے اس پروگرام کو نہایت عمدگی کے ساتھ مکمل کیا۔ آپ نے چھ چھ افراد پر مشتمل چھ گروپ بنائے اور ہر گروپ کا ایک لیڈر متعین کیا۔ یہ کتاب تین اہم عنوانات پر مشتمل ہے : عبادت رب' شہادت علی الناس' اور اقامت دین۔ آپ نے اجتماعی مطالعہ کا طریق کار کچھ اس طرح ترتیب دیا تھا کہ پہلے عنوان سے کچھ سوالات بورڈ پر تحریر کر دیئے گئے اور ہر گروپ کو تقریباً پون گھنٹہ مطالعہ کے لئے دیا گیا تاکہ کہ وہ سوالات کے جوابات کتاب کے اس حصے سے تلاش کریں اور جب انہیں بلایا جائے تو وہ انہیں اپنے الفاظ میں بیان کریں۔ جناب اعجاز لطیف صاحب جس گروپ کے لیڈر کو آواز دیتے وہ اپنے گروپ میں سے

کسی کو جواب کے لئے بھیجتا۔ اگر جواب میں کوئی کمی رہ جاتی تو دوسرے گروپ کو دعوت دی جاتی۔ اس طرح یہ ڈیپ مقابلہ صبح ساڑھے آٹھ بجے سے شام ساڑھے پانچ بجے تک جاری رہا۔ درمیان میں نماز اور کھانے کے لئے وقفہ تھا۔

اس ڈیپ پروگرام کو لوگوں نے بڑی آمادگی کے ساتھ پورا کیا اور تھکاوٹ کا کم سے کم احساس ہوا۔ یہ طرز مطالعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت مفید رہا۔ بعد میں رفقاء نے بتایا کہ وہ اس پروگرام سے صرف مطمئن ہی نہیں ہوئے، بلکہ اس سے انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شرکاء میں سے دو بچوں نے بھی اس پروگرام میں حصہ لیا جن کی عمر بارہ تیرہ برس ہوگی۔ دونوں بچوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ گفتگو کی اور اپنے موضوع پر ان کی پوری گرفت رہی۔ بچوں کی تقریر سے سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ اور سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ اختتام پر ان بچوں کو انجمن کی طرف سے تین تین کتابوں پر مشتمل سیٹ تحفہ میں دیا گیا۔

ناظم حلقہ جناب نسیم الدین صاحب کے والد سخت علیل تھے اور اسپتال میں داخل تھے، ان کی دیکھ بھال کے لئے وہ اسپتال میں تھے، اس لئے وہ دوسرے روز کے پروگرام میں شریک نہ ہو سکے اور اختتامی خطاب بھی نہیں فرما سکے۔ جناب اعجاز لطیف صاحب نے اس پروگرام میں بھرپور دلچسپی لینے پر رفقاء کو مبارکباد دی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ جناب ھنگورہ صاحب نے، جو معتمد حلقہ سندھ و بلوچستان ہیں، ناظم حلقہ کی جگہ اختتامی کلمات کہے اور رفقاء کا شکریہ ادا کیا۔ اس طرح یہ دو روزہ تربیت گاہ مکمل ہوئی۔ (مرتب : نجیب صدیقی)

امیر تنظیم اسلامی کے مالی و معاشی کوائف پر مشتمل مفصل مضمون

حسابِ کم و بیش

اب کتابچے کی صورت میں دستیاب ہے!

صفحات ۶۴ قیمت اشاعت عام -/۶ روپے، اشاعت خاص (سفید کاغذ) -/۱۰ روپے

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

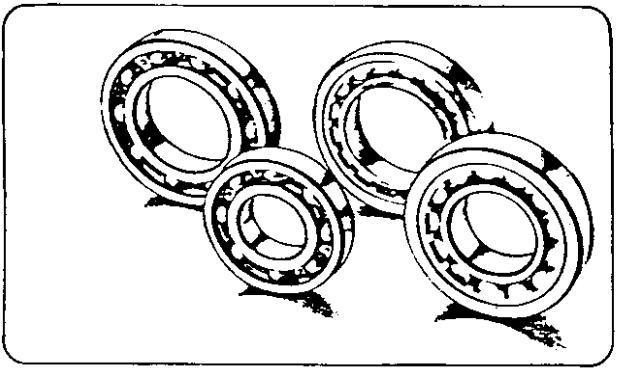

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)** Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG. No L. 7360
Vol. 43. No. 8
Aug 1994

"ہے کوئی اِس جیسا شربت تو بتائیں؟"

قرشی

جامِ شیریں

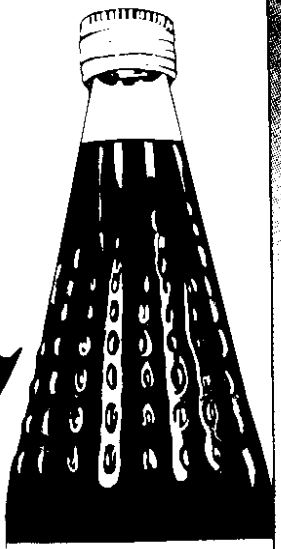

"خالص قدرتی اجزاء کے عرقیات سے تیار۔ پانی میں فوراً حل ہوجاتا ہے اور طبیعت میں بھاری پن نہیں لاتا۔ اور ہاں ... اس میں عرقِ صندل بھی شامل ہے جو گرمی میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا مزہ مجھے کیا سارے گھر کو بے حد پسند ہے!"

100 فیصد خالص 100 فیصد تسکین